ماہنامہ

ترجمان القرآن

جاری کردہ :

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ، اچھرہ، لاہور (پاکستان)

ترجمۂ قرآن مجید

مع مختصر حواشی

سیّد ابوالاعلیٰ مودودی

اس میں

مترجم نے قرآنِ حکیم کے متن اور تفہیم القرآن کے ترجمے کے ساتھ بہت مختصر حواشی درج کر دیے ہیں تاکہ عام لوگ جو قرآن مجید کا سیدھا سادہ مفہوم سمجھنا چاہتے ہیں وہ ایک ہی جلد میں تفہیم القرآن کے خلاصے سے فائدہ اٹھا سکیں۔

سائز: ۲۳ × ۳۶ / ۱۶ ○ صفحات: ۱۵۸۴

ہدیہ ۱۵۰/ روپے

ادارہ ترجمان القرآن ○ اچھرہ ○ لاہور

فون نمبر: ۴۱۰۳۱۶

ماہنامہ **ترجمان القرآن** لاہور

رجسٹرڈ نمبر ایل: ۵۳۴۰

جلد ۱۱۴ دسمبر ۱۹۹۰ء — جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ عدد ۴

فہرست مضامین

اشارات:	نعیم صدیقی	۳
حکمتِ سید مودودیؒ:	ادارہ	۱۹
مقالات:		
جمع و تدوینِ قرآن مجید اور مستشرقین	جناب محمد عارف اعظمی	۲۱
دینی جدوجہد کا اصل محور (۳)	جناب سید محمد صمیم پاشا	۲۶
قانونِ دیت کی قابلِ غور تفصیلات	مولانا خلیل احمد حامدی	۳۱
قانونِ دیت کے متعلق چند وضاحتیں	نعیم صدیقی	۳۶
رسائل و مسائل:		
عورتوں کے لیے طلائی زیورات	جناب ملک غلام علی	۴۱
مطبوعات:	ادارہ	۵۰

رابطہ و ترسیلِ زر کے لیے: ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ۔ رحمٰن مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

فون نمبر: ۶۸۶۳۶ - ۳۲۴۴۶۸   پوسٹ بکس نمبر: ۱۴۴۳

فی پرچہ: ۶ روپے   زرِ سالانہ: ۶۰ روپے

سید حسین فاروق مودودی نے ایچ فاروق ایسوسی ایٹس لمیٹڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن، اچھرہ لاہور سے شائع کیا

ماہنامہ

ترجمان القرآن

جاری کردہ:

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ، اچھرہ، لاہور (پاکستان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے!

بعض اوقات کوئی شخصیت یا جماعت یا حالت اس درجہ تسلط یافتہ ہوتی ہے کہ آدمی اپنی محدود سوجھ بوجھ کے سامنے جب سوچتا ہے تو اُس کے دل میں یہ سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ کیا یہ کبھی ٹلے گی بھی؟ — مگر جن لوگوں کا اللہ کے اُس دستِ قدرت پر ایمان ہے جو پردۂ غیب کے پیچھے سے قوانینِ طبعی اور قوانینِ تاریخی اور ضوابطِ اخلاقی کی ڈوریوں کو حرکت میں دے کہ طبعی اور انسانی دنیا میں حوادث کے بڑے بڑے طوفان اُٹھاتا رہتا ہے، ان کی ظاہری پریشانی و اضطراب کے نیچے یہ اُمید آفریں ایمان چھپا ہوتا ہے کہ ایک تو ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں، دوسرے خدا نے کبھی کسی طاقت کو دوام نہیں دیا، اور تیسرے وہ ظلم، خیانت اور فحاشی و عیاشی کے مجرموں کے اقتدار کا تختہ اچانک اس طرح اُلٹ دیتا ہے کہ آدمی حیرت زدہ رہ جاتا ہے کہ یہ کیسے ہوا ہے؟

ہٹلر کو ہمارے سامنے طاقت کے اسٹیج سے ہٹایا گیا۔ برطانیہ کے تسلط سے ہمارا ملک اور دوسرے ممالک آزاد ہو گئے۔ شاہ ایران کو شاہِ شطرنج کی پل میں مات ہو گئی۔ ابھی ابھی کارل مارکس کے سائنٹفک فلسفے پر لینن اور اسٹالن کا بنایا ہوا اشتراکی نظام، آمریت کی آہنی قلعہ بندی کے کڑے حفاظتی نظام کے باوجود ایسا گرا کہ کرچی کرچی ہو گیا۔ ہم پاکستانی مسلمان ہندو کانگریس کی متحدہ وطنی قومیت کی لادین سیاست کے عنکبوتی جال سے بچ نکلے۔ یہاں کتنے ہی دور چلے مگر رند، ساقی اور پیرِ مغاں سب

رخصت ہو گئے۔ کیا طنطنے تھے، کیا دبدبے تھے، کیا ہمہمے تھے، مگر سب خواب ہو گئے۔ بھٹو صاحب کا زمانۂ عتاب — اور رہی سہی کسر پوری کرنے کے لیے بے نظیر صاحبہ کا دورِ عذاب، سب جادۂ تاریخ پر رواں دواں ماضی کے دھندلکے میں غائب ہو گئے۔ سچ ہے: تعزّ من تشآء و تذلّ من تشآء بیدک الخیر۔ اللہ جسے چاہے قوت و سربلندی دے اور جسے چاہے پستی اور بے بسی میں دھکیل دے — اپنے یدِ خیر اور اپنے دستِ فلاح سے[1]! اسی مدعا کو سورۂ حج کی آیت نمبر ۴۰ میں مزید واضح کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض دوسروں کے ذریعے ہٹاتا نہ رہے تو مذاہب اور عبادت گاہوں کی سلامتی اور امن سب تباہی کا لقمہ بن جائیں۔

خدا کا شکر ہے کہ ایک ایسی بلا ٹلی جو امریکہ کی سرپرستی میں یہود کی پروردہ تھی اور جسے بھارت نوازی کا اعزاز حاصل تھا۔ اس زنانہ دورِ حکومت نے یہ ثابت کر دیا کہ عورت کی حکومت ذریعۂ فلاح نہیں بن سکتی (جب کہ فلاح کے معنی خود اسلامی اصطلاح کے طور پر سوچنے چاہییں)۔ بلکہ دورِ حاضر میں مقبول ترین مغربی پیرایۂ جمہوریت بھی ملک کو ایسے برے نتائج دے گا۔ خود مروجہ فاسد جمہوریت کے تاریک پہلو بہت عریاں ہو گئے۔ ہماری قومی زندگی کے یہ سال کتنے تاریک تھے جب کہ ہلڑ بازوں اور ہائی جیکروں اور چھاپہ ماروں کو منظم کرنے والے ایک مغرب زدہ امریکہ پرست، یہود نواز، فسطائیت پسند شیعہ خاندان کا منحوس سایہ ہم پر چھایا رہا۔

نئے آنے والوں کو جو آئی جے آئی کا جھنڈا لہراتے آئے ہیں، فتح مبارک — مگر یہ فتح باعثِ مسرت بھی ہے اور ایک بڑا چیلنج یا امتحان بھی۔ فتح کا تقاضا مسرت، اور امتحان کا تقاضا اسلامی اور عوامی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لیے تدبر، دیانت

---

[1] مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اے اللہ (ان ساری تبدیلیوں میں) خیر اور بھلائی تو تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔

اور محنت کا ہے۔

فاتح اتحاد کے تمام فریقوں اور ان کے لیڈروں اور سب سے بڑھ کر اس قافلۂ تازہ دم کے قائد جناب نواز شریف کو اوپر والی آیت سامنے رکھنی چاہیے۔ نہ عزت و بلندی کسی کا اجارہ ہے، نہ پستی و ناطاقتی کسی کا دائمی مقدر۔ یہ اللہ کا قانون ہے، اس نے اگر پہلی ٹیم کو میدان سے آؤٹ کر کے کھیل آپ کے حوالے کیا ہے تو اب یہ آپ کے ایمان و ضمیر، عدل و انصاف اور دیانت و خدمت پر منحصر ہے کہ میدان کب تک آپ کے ہاتھ میں رہے۔ قانونِ الٰہی کا ریفری سر پہ کھڑا ہے اور خدانخواستہ آپ نااہلیت دکھائیں تو وہ ایک اشارے سے آپ کو میدان سے نکال باہر کرے گا اور کسی اور کو لے آئے گا۔ وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ (توبہ - ۳۹) یہی مفہوم سورۂ ہود آیت ۵۷ میں بھی ہے۔

افسوس کہ قرآن کا یہ سبق تاریخ نے بار بار عملی شکل میں انسانوں کے سامنے رکھا مگر تاریخ بنانے کا جنہیں غرّہ تھا اور جو تاریخ پر سواری کرنے کے خواب دیکھتے تھے، وہ تاریخ کے بہ تکرار دکھائے ہوئے مناظر سے استفادہ نہ کر سکے، نتیجہ یہ کہ کیفرِ کردار کو پہنچے۔

تو حضرات، عزت، قوت، غلبہ، اقتدار، قیادت، وزارت، صدارت، پارلیمانی رُکنیت، دولت، شہرت، رسوخ، قابلیت، حمایتِ عوام، ہر چیز خدا کی امانت ہے جسے کبھی اپنا نہ سمجھنا چاہیے۔ اور جس کو مالک کے بتائے ہوئے حدود سے بے نیاز ہو کر اپنی مرضی، اپنے مفاد، اور پارٹی یا برادری یا صوبے یا طبقے کی خدمت یا مخالفین سے انتقام لینے اور کمزوروں پر ظلم کرنے کے لیے استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ ایسا کیا جائے تو یہ خدا کی عطا کردہ امانت میں خیانت ہو گی۔ اور خیانت اور ظلم کا انجام ہمارے سامنے اس طرح واضح ہے جیسے ۶ میں سے ۵ تفریق کرنے کے بعد ایک باقی رہ جاتا ہے۔

جہاں یہ حقیقت سب جانتے ہیں کہ نئی قوت میں مسلم لیگ سے کسی بھی درجے میں نسبت رکھنے والوں کی تعداد دوسروں سے زیادہ ہے، وہاں اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ

عوام میں پی پی کے خلاف پُر زور مقبولیت "اسلامی جمہوری اتحاد" کو ملی ہے۔ یہاں تک کہ آخر میں پچھلے دور کے ستم رسیدہ معاشرے میں یکایک ایسی رو چلی کہ ۲۴ اکتوبر کی شام تک بیلٹ کے ذریعے انقلاب آگیا۔ "اتحاد" اور "سائیکل" کے دو الفاظ ایسے پھیلے کہ دیہات تک میں تعلیم سے بے بہرہ مردوں اور عورتوں نے کہا کہ سائیکل پر مہر لگانی ہے۔ کسی نے کم ہی یہ جانا کہ کون امیدوار ہے اور کیسا ہے۔ بس یہ جاننا کافی ہے کہ یہ "اتحاد" کا ہے۔

اس کی ایک نفسیاتی وجہ ہے جو ۱۹۷۷ء والے اتحاد کے سلسلے میں بھی کارفرما تھی۔ عام لوگ جگہ جگہ آٹھ آٹھ، دس دس امیدواروں کا دنگل دیکھتے ہیں تو وہ پچھلے تجربات کی روشنی میں متفکر ہو جاتے ہیں کہ اُن کے ووٹ بکھر کر ضائع ہو جائیں گے اور اقلیتی ووٹوں سے کوئی نامطلوب شخص کامیاب ہو جائے گا۔ پی پی کی کامیابی کا راز یہی تھا کہ مقابلہ کرنے والوں کے اکثریتی ووٹ بٹ کر ضائع ہو جاتے رہے۔ اس مرتبہ اتحاد نے نقشۂ احوال کو بدل دیا اور بیشتر صورتوں میں پاکستان دوست اور محبانِ اسلام اور طالبانِ عدل و امن سبھی اتحاد کے نمائندوں پر متفق ہو گئے اور آنکھیں بند کر کے سائیکل کے نشان پر سارے ملک میں مہریں لگاتے چلے گئے۔ گویا ایک رو چل پڑی اور انتخابات میں مؤثر ادل بدل جبھی ہوتا ہے کہ رو چل پڑے۔ اسلامی جمہوری اتحاد پہ جو رو چلی، اس میں کوئی بڑی تعداد والی جماعت ہو یا قلیل تعداد والی، منظم لوگ ہوں یا غیر منظم، دینی لحاظ سے پیش پیش ہوں یا جمہوری سیاست کے لحاظ سے، سب کا حصہ شامل ہے۔ جوارش جالینوس یا دواءالمسک یا خمیرہ ابریشم بنتا ہے تو کسی جزوِ اعظم کے ہونے کے باوجود ہر جزوِ قلیل کا بھی مرکب بننے اور ایک خاص تاثیر پیدا کرنے میں اہم حصہ ہوتا ہے۔ کوئی جزوِ اعظم تنہا کم ہی کارگر ہوتا ہے۔ تھوڑی سی

ل ایسی رو کسی ایک پارٹی کے لیے بھی چل سکتی ہے۔ جب کہ وہ کسی خاص نظریۂ مقصد کے ساتھ پورے زور سے سرگرم کار رہے۔

ادویۂ مفردہ ہیں مگر مرکبات زیادہ ہیں۔ گھروں میں کھانا بنتا ہے تو چاہے گوشت جزوِ اعظم ہو مگر نمک یا مرچ شامل نہ ہو تو بات نہیں بنتی۔ بلکہ یہ مثال شاید زیادہ واضح ہو کہ جھاڑو بے شمار تنکوں کا مجموعہ ہوتا ہے، مگر وہ چھوٹی سی سُتلی جو اس کا بندھن بنتی ہے وہ نہ ہو تو سارے تنکے بکھر جائیں۔ یہی حال جماعتی اتحادوں کا ہے۔ اگر اسلامی جمہوری اتحاد نہ وجود میں آتا اور ملک بھر میں نئی اُمیدوں کے ساتھ ایک رَو نہ چلتی تو تنہا کوئی گروہ جو بار بار ٹوٹتا، بکھرتا اور جُڑتا رہا ہو اور کبھی سطح پر ہو، کبھی سطح کے نیچے چلا جائے، اور کبھی اس کے افراد ایک خاص فرمانروا کے ارد گرد اور کبھی دوسری پارٹی کے جلو میں دیکھے جائیں۔ عوامی اکثریت کی توجہ نہیں کھینچ سکتا۔ اسی طرح دوسرے چھوٹے گروپ جو چاہے خاص خاص حلقوں میں بہت وقار رکھتے ہوں اور ملک میں بھی کسی کی شہرت اچھی ہو، انتخابات میں اس طرح اُبھر نہیں سکتا۔ سب ملیں تو بڑے بھی بڑے ہیں اور چھوٹے بھی بڑے ـــــ اور اگر بکھر جائیں تو بڑے بھی چھوٹے ہیں اور چھوٹے بھی چھوٹے ـــ مگر یہ اکٹھے ہونا اور بکھرنا چند اُصولوں سے تعلق رکھتا ہے جو آئی جے آئی کے منشور کی شکل میں سامنے ہیں۔ یہ گویا باہمی معاہدہ ہے جس کے محور پر آئی جے آئی کی سیاست گھومے گی۔

میدانِ کشمکش میں آتے ہوئے تو تمام لیڈر بڑے بڑے جلسوں میں ہاتھ اونچے کر کر کے اتحاد کا اعلان کرتے رہے۔ اب ایسا نہ ہو کہ کسی گروہ کو یہ خیال آئے کہ ہماری عددیت بڑی ہے (حالانکہ سیاست میں عددیت کے علاوہ بھی کچھ چیزیں ضروری ہوتی ہیں)۔ یا کوئی گروہ کہے کہ ہماری تنظیم مضبوط ہے، کوئی تیسرا کہے کہ ہم بااُصول اور باکردار لوگ ہیں ـــــ اور پھر ایک "اَنا" سے دوسری "اَنا" ٹکرا نہ جائے۔ اور دانہ ہائے تسبیح کو جوڑنے والا رشتہ ٹوٹ نہ جائے اور اتحاد کا جو بھرم قائم ہے اور اس میں جو کشش ہے ختم نہ ہو جائے۔ لہٰذا اب ساری کھینچا تانیاں چھوڑ کر آئی جے آئی کے متفقہ منشور کے مطابق پورے اتحاد و اشتراک سے اقدام کرنا چاہیے۔

اس کامیاب مہم کی کامیابی کے باوجود مجھے دو باتوں کا افسوس ہے ۔

ایک یہ کہ متعدد دینی گروہ جو سیاست میں آتے بھی، مگر بدقسمتی سے وہ نہ صرف اسلامی جمہوری اتحاد کا ساتھ نہ دے سکے، بلکہ وہ آپس میں مل کر بھی اقامتِ دین کا ایک محاذ بنا کر متفقہ نمائندے پیش نہ کر سکے۔ بلکہ انہوں نے اتحاد سے بھی اختلاف کیا اور آپس میں بھی مخالفت کا رویّہ اختیار کیا۔ جس کا نتیجہ صرف یہی نہیں ہوا کہ اسلامی جمہوری اتحاد کی مہم پر تھوڑا بہت برا اثر پڑا، بلکہ خود ان مذہبی گروہوں کو بھی تفرقہ کی یہ سزا ملی کہ جتنی سیٹیں وہ پہلے سابق مرتبہ لے چکے تھے، اتنی بھی نہ ملیں، نیز یہ اہلِ مذہب کے شہرت نامے پر مزید ایک تازہ مہر اس مفہوم کی ثبت ہوگئی کہ چند مختلف امام یا لیڈر اپنے اپنے مریدوں کو الگ الگ لیے پاکستان کی قسمت سنوارنے اور دین کو غالب کرنے کے لیے نکلے ہیں، ان میں وہ بھی ہیں جو موقع بہ موقع مخالفِ دین و وطن حضرات سے بھی گٹھ جوڑ کرتے رہتے ہیں اور دوسری طرف وہ نہایت قریب الخیال خادمانِ دین سے شدید نفرت رکھتے ہیں۔ اِس مزمن بیماری کا ابھی تک کوئی کامیاب اور فیصلہ کن علاج دریافت نہیں ہو سکا۔

دوسری تکلیف دِہ بات یہ ہے کہ ابھی تک سیاسی اقتدار کی مجبوریاں انتہائی بااصول لوگوں کو بھی انتخابی یا پارلیمانی معاملات میں ایسے افراد یا ٹولوں کا منت کش بنا دیتی ہیں جو نہایت معروف طور پر نسلی، صوبائی یا لسانی تعصبات کے علم بلند کرتے اور ان کے گرد قوت جمع کرتے ہیں۔

لیکن اسلامی جمہوری اتحاد کی مضبوط قوت اور اس کی قیادت کی سیاست و فراست سے امید کی جا سکتی ہے کہ وہ غلط رجحانات کے لوہے کو شاید "حکیمانہ برودت" سے آہستہ آہستہ پگھلا دینا چاہتی ہو۔ ٹسٹ کی بات یہ ہوگی کہ ایسوں کی خوشنودی کے لیے ان کے ناجائز مطالبات کو ماننے اور ان کے ٹولوں کے لیے قانون و انتظام کی جانب داری سے کام لینے تک نوبت نہ پہنچے۔ ان کو بہ حیثیت مولفۃ القلوب ساتھ

لیا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ آئین جسے آئی کا منشور غالب و برتر رہے اور اس کی قربانی نہ دینی پڑے۔ کیونکہ ایسی سودہ بازیاں بازارِ سیاست میں لیڈروں اور پارٹیوں کے کردار کو زرِ کم عیار قرار دے دیتی ہیں۔ یہ آئینے کے ٹوٹنے کا سا معاملہ ہے، پھر کسی گوند اور لئی یا مسالے سے آپ اسے جوڑ نہیں سکتے۔ خمیازہ بھگتنا ہی ہو گا۔ اسی قانون کو یاد رکھیے: " تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ " اس قانون کی تلوار ہر وقت سر پہ لٹکی ہوئی ہے۔

متذکرہ دو ناپسندیدہ امور کے علاوہ مجھے اس بات کا بھی بہت افسوس ہے کہ پیپلز پارٹی (پی۔ ڈی۔ اے) نے شکست کا سامنا کرنے میں بہادری نہیں دکھائی۔ یہ بڑا بزدلانہ کردار رہا ہے کہ جب فتح ملے تو ناچ کود، بھنگڑوں اور فائرنگ کا طوفان اٹھا دیا جائے مگر کھیل میں جب داؤں ہار دیا جائے تو پھر جیتنے والے فریق پہ دھاندلی کے الزاموں کی بوچھاڑ کر دی جائے۔ تھوڑی بہت دھاندلی سے تو جدید بے ڈھنگی جمہوریت کو پالنے والے مغربی ممالک کے انتخابات بھی پاک نہیں ہوتے۔ اور پاکستان میں بھی یہی معمول رہا ہے۔ لیکن بڑے پیمانے پر جب ۷۷ء میں دھاندلی ہوئی تو خود عوام یا ووٹروں نے شہروں اور دیہات سے احتجاج کی آوازیں بلند کیں اور بعد دوپہر سے لے کر گنتی تک اخبارات، جماعتوں اور حکومت کے دفتروں میں شکایات اور فریادوں کا تانتا بندھ گیا۔ بڑی اور چھوٹی جگہوں میں مظاہرے ہوئے۔ ہر طرف متاثرین نے ڈبے توڑے جانے، افسروں کے خود مہریں لگانے، بیلٹ پیپر پھاڑ دینے، بکسوں میں سے سلسلہ وار نمبروں کی سو سو، پچاس پچاس پرچیوں کا پی پی کے ایک ہی شخص کے نام نکلنا، عورتوں کے پولنگ میں خصوصی زیادتیاں اور مار کٹائی، گنتی کے وقت ڈالے ہوئے مندرجہ ووٹوں کی کل تعداد سے زیادہ بیلٹ پیپروں کا نکلنا، اور دسیوں شکایتیں ــــ ایک عوامی طوفان بیک وقت اٹھ کھڑا ہوا جس کے نتیجے میں یہ طے ہوا کہ صوبائی الیکشن کا بائیکاٹ کیا جائے۔

لیکن اب پیپلز پارٹی کے گرم خون اور اسپند آسا اچھلنے اور بھنگڑے ڈالنے اور لوگوں کے گلے پڑنے والے جیالے ووٹر اور کارکن بڑے امن وسکون سے ووٹنگ کا تماشا اس یقین سے دیکھتے رہے کہ رات کو ہم فتح کا جشن منائیں اور صبح کو بے نظیر صاحبہ لاہور میں جلوس نکالیں گی۔ مگر بعض تو نتیجے کا پولنگ اسٹیشنوں پر گنتی کے لیے جانے سے پہلے ٹیلیفونوں پر مختلف جگہوں کے حالات معلوم کر کے کھسک گئے (جس کی رپورٹ ہمیں مغرب کے قریب ملی) اور بقیہ گنتی کا آئینہ دیکھ کر اپنا سا منہ لے کے رہ گئے۔ واقعات اور نظریوں کے بغیر (بے نظیر ہوتا ہی تو ہے) دھاندلی کا الزام اچھال دیا۔

میں یہاں لمبی چوڑی بحث کے بغیر مختصر دلائل سے ثابت کر دیتا ہوں کہ پی پی کو اور بی بی کو پہلے سے ان حالات کا اندازہ تھا کہ اب وہ وقت آگیا ہے کہ "قتلِ عاشقاں" کے نتیجے میں "یوسف بے کارواں" ہو کر اکیلے پھرنا ہوگا۔

۱۔ پی پی کے نام کی مقبولیت کا گراف گر جانے کی وجہ سے پی ڈی اے کا سائن بورڈ لگایا گیا۔

۲۔ پنجاب جو پی پی کا گڑھ بن گیا تھا، وہاں دو تین سیٹوں سے انتخاب لڑنے کے بجائے محترمہ سرے سے بھاگ گئیں۔

۳۔ نیا امیج بنانے کے لیے ائر مارشل اصغر خاں صاحب کو اسٹیج پہ لایا گیا۔ جن سے پی پی بھی زخم خوردہ بھی اور جو خود بھی پی پی کے ستم چشیدہ تھے۔ بی بی صاحبہ اِس محسنِ انتخاب کے منتہا تک آ پہنچیں۔ اور اپنے ایک پُر زور حلقے میں پٹخنے کے لیے انہیں کھڑا کر دیا گیا۔ (شاید تھوڑا سا انتقام لینا بھی مطلوب ہو)۔

۴۔ اعلانِ انتخاب سے لے کر پولنگ کے دن تک حکومت اور معاشرے پر بیرونی دباؤ ڈلوایا گیا۔ یہ غلط ہتھکنڈا اتنا کھلم کھلا استعمال کیا گیا کہ عام لوگ چوکنے ہو گئے مگر پی پی نے تنکے کا آخری سہارا لینے میں بھی کسر نہ چھوڑی۔

۵۔ پی پی کے پچھلے انتخاب والے ووٹ تقریباً حسبِ سابق تھے، مگر "ون ٹو ون" کی فضا نے نتائج بدل دکھائے۔ اگر دھاندلی ہوتی تو ان لوگوں کے ووٹ ضرور خراب ہوتے۔

یہ دلائل ایسے ہیں جن کی بنا پر میرا دعویٰ یہ ہے کہ پی پی اور بی بی صاحبہ کو اپنا انتخابی حشر پہلے سے معلوم تھا، دھاندلی کا کنکوا بعد میں اڑایا گیا۔

افسوس کہ سابق وزیراعظم [illegible]ت کے سنگِ سخت کی چوٹ نہ سہار سکیں، اور اپنے غصّے اور انتقام کا پیشگی ہدف ملک کے معزز صدر کو بنایا جو ایک ایسا عہدہ ہے جس کی بے احترامی اور کردار کشی بذریعہ پروپیگنڈا کرنا نہایت رکیک حرکت ہے۔ کوئی ٹھوس بات سامنے ہو تو صدر کو دستور اور قانون کے راستے سے عدلیہ کے سامنے کھنچوائیے۔ لیکن جمہوریت کی نیلم پری کی نگاہ میں عدلیہ کی کیا وقعت ہے۔ اور ملک کی افواج اور اس کے سربراہ کا کیا احترام ہے۔ اگر آں محترمہ وزیراعظم نہیں ہیں تو پاکستان کا ہر بڑا عہدہ دار یا خادم یکسر بے قدر و قیمت ہے۔ آپ ڈوبے، جہان ڈوبا۔

کاش کہ بی بی اور پی پی شکست کو سہارنے میں بھی بہادر نکلتیں اور ان کے فدائی سچے جیالے ثابت ہوتے۔ اگر کسی ایوان کی اپوزیشن پستی رکھتی ہو تو حکمران قوت کو بھی مزا نہیں آتا۔

خدا کے قانونِ عفو و امہال کے تحت قوم ایک بار پھر تشکیل پاکستان کے سے ماحول میں، ویسے ہی جذباتِ تعمیر و تغیر کے ساتھ کھڑی ہے۔ آپ چاہیں تو اس کیفیتِ خاص سے جو ۶۵ء میں نمودار ہوئی تھی اور جس نے ۷۷ء میں بھی جھلک دکھائی تھی، بہت بڑا کام لے سکتے ہیں بلکہ ایک "ٹھنڈا انقلاب" پیدا کر سکتے ہیں۔ کیا آپ اِس قوم کو اِس کی تہذیب، اس کا نصب العین، اِس کی وحدت، اور اس کے نوجوانوں کو مقصد و کردار دے سکتے ہیں؟ کیا اس طوفانی قوت کو آپ دعوت سے لے کر تحقیق و تخلیق اور سائنس و ٹیکنالوجی کے میدانوں میں مہارت سے مسلح کر کے باطل نظریات اور فاسد ثقافتوں کا مقابلہ کرنے، اور انسان کی انسانیت کو روپے اور مشینوں اور اجتماعی جبریت کے چکروں سے بچا نکالنے کے لیے تاریخ کے میدان میں

مجاہد بنا کر اُتار سکتے ہیں ؟ ان کو بنیادی سبق یہ دینا ہے کہ تم دنیا کے انسانوں کو باطل فلسفوں اور انسانی خدائی کی مختلف طاغوتی زنجیروں سے نجات دلانے کے لیے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا برپا کیا ہوا لشکر ہو۔ ایک کسان اور مزدور سے ایک جاگیردار اور وزیر تک۔

پاکستان کے اس نئے مرحلۂ تغیر و تبدل میں کیا آپ یہ جرأت کر سکتے ہیں کہ کھدر[۵] کے لباس میں وزیر اعظم ہاؤس میں بھی اور باہر عوام کے سامنے بھی یہ اعلان کر سکیں کہ میں نے اور میرے ساتھیوں نے دس سال تک قومی حالات کو سنوارنے کے لیے کھدر پہننے کا فیصلہ کیا ہے۔ اُٹھو پاکستان کے غریب مگر غیور نوجوانوں تم بھی دس سال کے لیے اس قربانی کا عہد کرو۔

پھر کیا آپ اس تبدیلی کی جرأت کر سکتے ہیں کہ میں اور میرے وزرا زیادہ سے زیادہ معاوضہ دس ہزار روپے لیں گے۔ اور مکان اور مکان کی آرائش اور دوسرے الاؤنسز کی مقدار نصف کر دیں گے۔ اس کے بعد آپ یہ اپیل کریں کہ میرے ملک کے دوسرے افسر بھی رضاکارانہ طور پر مصائب و شدائد کے اس دور کا مقابلہ کرنے کے لیے رضاکارانہ ایثار کی مثالیں قائم کریں۔ اگر قوم کے سیاسی اکابر لفظی تقریروں کے بجائے ایسی عملی مثالیں قائم کریں تو ان کی اپیل پر ساری قوم کے امرا بھی اپنے آپ کو غریبی اور درویشی کے مقام پر رکھ کر خوشی محسوس کریں گے۔ بلکہ ساری دنیا کے لیے

---

۵ یہاں کھدر سے مراد سادہ اور غیر مسرفانہ اور غیر نفیس لباس ہے۔ (اور اسی کی طرح زندگی کے دوسرے لوازم !) اس طرح سے پانچ یا دس سال کے لیے بعض تحدیدات نافذ کر کے قوم کے جذبۂ ایثار سے کام لیا جا سکتا ہے۔ ورنہ محض ان کو تسلیاں دینے اور حسابی رقموں کو ایک خانے سے دوسرے خانے میں منتقل کرنے سے کام نہ چلے گا قوم کو کسی انقلابی قوت کی طرح خوش دلی سے ایثار کرنے پر آمادہ کیجیے جس کا مؤثر طریقہ سب سے بڑے لوگوں کی طرف سے خود ایثار کرنے کا ہے۔

ایک منظر حیرت پیدا کر دیں ۔ اپنے نفس پر یہ کنٹرول ایسی عظیم قوت ہے جسے امریکہ ساری دولت اور سائنس خرچ کر کے پیدا نہیں کر سکتا ۔ یہ تو صرف حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ جیسے حکمران پیدا کرنے والی قوم کر سکتی ہے ۔

آپ مناسب موقع پا کر ذرائع ابلاغ سے اپیل کریں کہ آپ کے تعاون سے ہم یہاں سنجیدہ، باوقار اور باحیا معاشرہ پیدا کرنا چاہتے ہیں ۔ لہٰذا جنسی چٹخاروں کا پرانا نسخہ تفریح اور کشش دار تصاویر چھاپنے کا مشغلۂ لطیف چھوڑ کر ایک ایسی "نئی قوم" کی تعمیر کے کام میں لگ جائیے جو بھٹکے ہوئے نظریات پر زندگی اور تہذیب کی غلط تعمیر کرنے والی بڑی بڑی غلام ساز اور ماہی گیر طاقتوں کی ذہنی غلامی میں مبتلا نہ ہو ۔ بلکہ اپنے عقیدوں اور قدروں کی بنیاد پر اپنی نئی دنیا آزادانہ ذہن سے استوار کرے ۔ اور یہ نقشہ عملاً دکھا دے کہ پاکستان کا مطلب لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے ۔

پھر کیا یہ امید لگائی جا سکتی ہے کہ آئی جے آئی کے دور میں پاکستان دنیا بھر کے لیے روشنی کا ایک مینار (بالفاظ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ) بن جائے گا؟ ــــــ یا کیا بدقسمتی سے تاریخ کا یہ زریں لمحہ بھی برباد ہو جائے گا ۔ اور ہم اسی ڈر سے مارے جائیں گے کہ مغرب والے ہمیں فنڈامنٹلزم کی گالی نہ دے دیں ۔

اگر یہ زریں موقع اور یہ گراں بہا لمحہ ہم نے گنوا دیا تو پھر ساری قوم ایک بار لمبے دور کے لیے یاس کی تاریک وادیوں میں ٹامک ٹوئیے مارتی پھرے گی ۔ اور اس کے ذمہ دار عنداللہ وہ لوگ ہوں گے جن کے ہاتھ ہر اہوا اقتدار کی باگوں پر ہیں ۔

اتفاق سے میں نے ان دنوں نوائے وقت میں "م ش" کا کالم (پدرم کسان بود) پڑھا ۔ اور یہ جان کر بے حد مسرت ہوئی ۔ معاشرے کی جدید صفوں میں ایک ایسا شخص بھی موجود ہے جس کی زبان سے یہ آرزو سنی جا چکی ہے کہ میں عمر بن عبدالعزیزؒ کے نقش قدم پر چلنا چاہتا ہوں ۔ کتنی خوش نصیب ہے یہ قوم کہ اس کے سایہ میں ایسا شخص پرورش پا کر لیڈری کے مقام تک پہنچا ۔

لیجیے جناب! آپ نے ایک آرزو — ایک آئیڈیل کا اظہار کیا تھا اور اس کا ٹسٹ لینے کے لیے کتنا جلد اللہ تعالیٰ نے آپ کو مسندِ اقتدار پہ بٹھا کر آپ کے سامنے میزان لگادی ہے جس کے ایک پلڑے میں عمر بن عبدالعزیزؒ کا ایمان، کردار، درویشی، انصاف پروری، خدمتِ خلق، شاہی داد و دہش سے ملی ہوئی جاگیروں کے پر قینچی چلا دینا، تعلیم کتاب و سنت کا انتظام کرنا، کفالتِ عامہ کے تحت غربا اور خواتین اور بچوں کو وظائف بہم پہنچانا، پھر خدا کے حضور میں سرِ عبودیت کو بار بار خم کرنا...... متاع ہائے گراں بہا کا انبار ہے۔ دوسرا خالی پلڑا آپ کے سامنے رکھ دیا گیا ہے کہ اب اپنی آرزوئے پنہاں کے مطابق آپ اس میں کیا ڈالتے ہیں اور اس کے لیے کتنا وزن فراہم کرتے ہیں۔ وکفیٰ بنفسک علیک الیوم حسیبا۔

مجھ قلم ران پر تو یہی نشہ دیر تک طاری رہے گا کہ فنڈامنٹل ازم کی گالی دینے والے اس دور میں ہمارا ایک پاکستانی بھائی ابوبکرؓ و عمرؓ اور عمر بن عبدالعزیزؒ سے اتنا گہرا قلبی رابطہ رکھتا ہے اور پھر اسے بیان بھی کرتا ہے اور اب شاید اسے عملاً بھی ماضی کی کچھ جذبہ انگیز کہانیوں کو زندہ کر کے دکھاتا ہو۔ سعادت کا دروازہ کھول دیا گیا ہے۔ اندر داخل ہو جائیے اور جہاں تک چاہیں، بڑھتے جائیے۔ لیکن کام بہرحال یہ جان جوکھوں کا ہے، سیاسی کھیل تماشا نہیں۔ یہاں محض اچھے خیال اور اچھے الفاظ کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتے۔

ویسے اصولاً میرا خیال یہ ہے کہ کسی بھی نئی حکومت کی قسمت کا فیصلہ پہلے سو دنوں میں ہو جاتا ہے۔ یعنی جو امیج بننا ہو وہ بن جاتا ہے۔ اور جو توقعات لوگوں نے استوار کی ہوں، ان کے متعلق وہ اس نتیجے پہ پہنچ جاتے ہیں کہ کیا مطلوب چیزیں عمل میں آسکیں گی اور کن نامطلوب چیزوں سے کتنا چھٹکارا مل سکے گا۔

میرا خیال ہے کہ ذیل کے چند مسائل و موضوعات ہیں جن میں پیش قدمی کی ضرورت ہے۔ چاہیے آپ آہستہ آہستہ دو چار ٹھوس اور محسوس قدم اُٹھائیں تاکہ لوگوں کی اُمیدوں کی لو اُونچی ہو جائے

مسئلۂ کشمیر ــــ مسئلۂ افغانستان ــــ خلیجی چیلنج ــــ اقتصادی اُمور ــــ مسئلۂ تعلیم ــــ قومی زبان کا مسئلہ ــــ شریعت ــــ جاگیریں ــــ

ان تمام موضوعات پر آئی جے آئی کے منشور کی روشنی میں کچھ اہم تفصیلی تدبیریں میرے سامنے تھیں، مگر ایک تو میں ماہرانہ مقام نہیں رکھتا۔ دوسرے اس تحریر کے نقشے کی حدود اجمال سے آگے جانے نہیں دیتیں۔ ورنہ میں جاگیرداری جیسے مشکل مسئلے پر بھی ضرور اظہار خیال کرتا۔ تیسرے اس وقت ہماری قیادت پر مشوروں کی بوچھاڑ ہو رہی ہوگی، اور بیوروکریسی کسی کو اپنے سے آگے نکلنے نہ دے گی۔ رسوبے کار کی کھکیڑ میں پڑنا حکیم جالینوس کا بتایا ہوا نسخہ تو نہیں کہ جسے برتے بغیر جینا محال ہو۔

اب تو یہ سوچنے کی ذمہ داری وزیر اعظم جناب نواز شریف صاحب اور آئی جے آئی کے لیڈروں پر عاید ہوتی ہے۔

آخر میں بدلے ہوئے حالات میں کچھ باتیں ہم سفران مقصد سے بھی!

ہمارا پہلا مسئلہ تو یہ ہے کہ ہمارا بنیادی کام دعوت حق اور اعلائے کلمتہ اللہ ہے۔ ایمانی استحکام کے ساتھ، عبادت و ذکر سے پرُ شدہ روح کے ساتھ، حالات کے شعور کے ساتھ، انسانوں کی پہچان کے ساتھ، محبت و خدمت کے مسلک کے ساتھ، بہترین اخلاق اور بہترین الفاظ کے ساتھ، خدا کی بات کو خدا کے بندوں تک پہنچانا ہے۔ اس کام کا اگر حق ادا ہو رہا ہو اور اس کے سارے تقاضے پورے ہو رہے ہیں تو پھر اگر آگے کے مراحل تک رسائی نہ بھی حاصل ہو سکی تو آدمی بندگی کے امتحان میں پورا اترا

پھر اور جتنے بھی مشغلے اور ذمہ داریاں ہیں، تنظیم و تربیت کا کام، اقتصادی اور مالی ترقی کی مساعی، سیاست کے ادارے کی اصلاح اور دین کے منشا کے مطابق تبدیلی حالات کے لیے انتخابات میں شرکت اور پارلیمان میں پہنچ کر ہر مسئلے پر آوازۂ حق اُٹھانا اور ہر خرابیٔ احوال کو نمایاں کرنا یقیناً ضروری کام ہیں ۔یہ بھی دعوت کے اگلے مراحل اور تقاضے ہیں ۔یعنی دعوت کا کام نئے نئے دائروں میں، نئے نئے پیرایوں سے کیا جا سکتا ہے ۔اور نئے نئے حلقوں کی اہم انتظامی اور سیاسی شخصیتوں تک بات پہنچائی جا سکتی ہے — مگر یہ سب کچھ بھی باعثِ خیر، ذریعۂ خدمتِ دین اور سامان توسیعِ دعوت جبھی ہو سکتا ہے کہ ہر مسئلے اور ہر دائرے سے گزرتے ہوئے بنیادی کام اور اس کے ایمانی، تعبدی و اخلاقی اور تنظیمی معیارات برقرار رہیں ۔اصل چیز دعوت ہے اور اس کے لیے افراد سے رابطہ تکلم کا کام ہے ۔اس بنیادی سرمایے میں اگر اقتصادی یا سیاسی یا انتخابی سرگرمیوں کی وجہ سے خسارہ آجائے تو پھر اور کسی بھی طرح کا نقصان خسارہ ہی خسارہ ہے ۔"دین ہاتھ سے دے کر" اور اس کے اُصولی روایات کو قربان کر کے انتخابات جیتنا یا پارلیمانی نشستیں اور عہدے حاصل کرنا صحیح اور معیاری خدمتِ دین کا ذریعہ نہیں ۔اگر اپنے اُصولوں اور معیارات کا کڑا تحفظ کرنا ہو تو پھر تعداد کم ہو یا زیادہ، خواہ کتنے ہی تھوڑے علاقوں میں انتخابی سرگرمی کی گنجائش ملے، نامزد نمائندے کامیاب ہوں یا ناکام، یا کم آگے بڑھ سکیں اور زیادہ پیچھے رہ جائیں ۔ان سارے امکانات کے باوجود اپنا کام اپنے ہی پلیٹ فارم سے اپنی ہی قوت کے ساتھ کرنا اہلِ حق کے لیے بہترین راستہ ہے۔

میرا خیال ہے کہ ہمیں اُسی پُرخلوص طریق سے اسلامی جمہوری اتحاد کو مضبوط کرنے، اس کی قیادت کو مشورے دینے اور عوام کو اس کے گرد جمع کرنے کا کام جاری رکھنا چاہیے، ورنہ ایک بار اگر عہدہ و جاہ اور دوسرے مفاد، باصفِ اتحاد میں غیر معمولی مرتبے اور اہمیت کا حصول درمیان میں آگئے تو سیاست شطرنج کا ایک کھیل بن

جائے گی اور سیاست کاری کے بجائے سیاست بازی شروع ہو جائے گی۔ دوسرے لوگ اگر ایسے مقاصد کے لیے کش مکش کرتے بھی ہوں کہ ہمیں اقامتِ دین کے سپاہیوں کی حیثیت سے اپنے مقامِ خلوص پہ کھڑے رہنا چاہیے۔ ہاں اگر خود آئی جے آئی یا اس کی قیادت ہمیں کوئی ذمہ داری سونپے تو "لا و نعم" کے چکر میں پڑے بغیر اسے قبول کر کے اعلیٰ کارکردگی کی روشن مثال قائم کرنی چاہیے۔ اور کام کا تجربہ حاصل کرنا چاہیے۔ جب کبھی مختلف گروپ یا افراد اتحادوں میں اپنی قیمت بڑھانے کے لیے بچھڑے ڈالنے پر اتر آتے ہیں تو ان کا وقار صرف اتحادی حلقوں میں ہی نہیں عوام میں بھی گرنے لگتا ہے۔ ہر کام سادہ فطری طور پر اور ہمواری سے ہونا چاہیے، ورنہ کوئی بڑا بگاڑ پیدا ہو سکتا ہے۔

یہ تو خیر جو کچھ ہو رہا ہے یا ہو گا، میرا ایک دردمندانہ احساس یہ ہے کہ چند سالوں کی انتخابی سیاست نے ہمارے ایمانی و اخلاقی معیار پر برا اثر ڈالا ہے، بلکہ اپنے ہاں کمٹمنٹ اور عہدوں کے معاملے میں کچھ جھول سی آ رہی ہے یا دینی تحریکی شعور پر تھکن یا غنودگی کا اثر ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اپنی بنیادی ذمہ داری کو دین کا تقاضا نہیں، بلکہ ایک ایسی وقتی تدبیر سمجھنے لگیں جس کی ضرورت صرف ابتدائی دورِ تیاری میں تھی۔ لیکن اب محض جلسے جلوسوں کے ذریعے توسیعی کام کرنے کا وقت آگیا ہے۔

اس طرح کے سوالات کی وجہ سے بعض رفقا میں ایک پریشانی سی پائی جاتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ ایسے حضرات متفرق باتیں کرنے اور پریشان ہونے کی جگہ مقامی شوراؤں میں گفتگو کریں، پھر کسی بالائی امیر و مجلسِ شوریٰ تک بات پہنچائیں اور ضرورت ہو تو مرکزی امیر اور مجلسِ شوریٰ کی طرف رجوع کریں۔

کسی بھی حال میں پراگندگی پیدا نہ ہو۔ بس دل کا سارا غبار مناسب اشخاص یا مناسب مجالس کے سامنے نکالیں، اور دستور یا مستقل دینی رہنمائی اور روایات کے لحاظ سے کسی چیز کو مدلل طور پہ آپ اہم سمجھیں تو کوئی آپ سے یہ نہیں کہتا کہ لیپا پوتی پہ مطمئن ہو جائیے۔ صحیح بات پر مضبوطی سے کھڑے ہونا اور صحیح بات کو صحیح دلائل سے منوانا دینی نظامِ جماعت

اور اس کی قیادت کے لیے خیرخواہی ہے، اور باعث ثواب۔

آخر میں ملک کی نسبتاً بہتر تبدیلی پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے میں یہ دعا کرتا ہوں کہ وہ نئی حکومت و قیادت کو توفیق دے کہ وہ معاشرے کے پچھلے زخموں پر مرہم رکھے، مسائل کی اُلجھی ہوئی گتھیوں کو سلجھائے، نفاذِ شریعت اور دینی و دنیوی صلاح و فلاح کے کارنامے انجام دے، امریکی دوستی کی نیش زنی کی وجہ سے اور خلیجی حوادث کی وجہ سے جو بھاری چیلنج سامنے آگیا ہے اسے تدبر اور عوامی تعاون سے حل کرے، جس اتحاد پر وہ قائم ہے وہ محکم و توانا رہے اور جماعتِ اسلامی کو اس عہد میں توفیق دے کہ وہ اپنے آپ پر اور دوسرے برادرانِ ملت پر اللہ کی مرطبات کو بے لوثی اور بے ریائی کے ساتھ نافذ کرنے کے زیادہ مؤثر راستے نکال سکے۔ آمین!

حکمتِ سیّد مودُودی رح

قائدِ اعظم رح اور پاکستان

قائدِ اعظم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سعادت نصیب ہوئی تھی کہ وہ اِس دَور میں رُوئے زمین پر مسلمانوں کی سب سے بڑی مملکت کو وجود میں لانے کا باعث بنے۔ اِس کشمکش اور جدوجہد میں انہیں بیک وقت انگریزوں، ہندوؤں اور سکھوں کی شدید مزاحمت اور مخالفت سے سابقہ درپیش تھا جن میں سے ہر ایک قیامِ پاکستان کے خلاف ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے قائدِ اعظم کو اپنے مقصد میں کامیاب فرمایا اور مخالفین کی متحدہ قوّت ان کے مقابلے میں بے بس ہو گئی۔ اُن کی اِس عدیم النظیر کامیابی کے چند وجوہ تھے اور ان میں سے ہر ایک میں ہمارے لیے ایک سبق ہے۔

—— پہلی بات یہ ہے کہ جب قراردادِ پاکستان پاس ہو گئی اور برّصغیر ہند کے مسلمانوں کے مسئلے کا آخری حل یہی طے پایا کہ ملک تقسیم ہو، تو قائدِ اعظم نے بعض سیکولر اور سوشلسٹ عناصر کے علی الرغم اس بات کا غیر مبہم اعلان کر دیا کہ پاکستان میں اسلام کا اجتماعی نظام قائم کیا جائے گا۔ اور مذکورہ عناصر کو متنبہ کیا کہ وہ اپنی روش سے دست کش ہو جائیں۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مسلمان جو خطۂ پاکستان سے دُور دراز بستے تھے وہ بھی اخوّتِ اسلامیہ کے جذبے سے سرشار ہو کر قیامِ پاکستان کی جدوجہد میں شریک ہو گئے۔

—— قائدِ اعظم رح کی کامیابی کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اُنہوں نے اپنے مخالفین کی گالیوں

اور الزام تراشیوں کو کبھی درخورِ اعتنا نہ سمجھا اور نہ اُن کا جواب دینے میں اپنا وقت ضائع کیا، بلکہ ہمیشہ اپنے مقصد کو سامنے رکھ کر اس کی طرف مستقل مزاجی سے پیش قدمی کرتے رہے۔ جس انسان کو بھی دُنیا میں کوئی مثبت تعمیری کام کرنا ہو، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسی طریقے پر عمل کرے اور زندگی کی مہلت کو مفید اور نتیجہ خیز مصرف میں صرف کرے۔

—— قائدِ اعظم کی سیرت میں تیسری خوبی یہ تھی کہ وہ ایک جمہوریت پسند انسان تھے۔ اُنھوں نے ہمیشہ اپنے رفقاء سے مشورہ اور اُن کا اعتماد حاصل کرتے ہوئے کام کیا اور پاکستان میں ایک جمہوری نظام کی تکمیل کو پیشِ نظر رکھا۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ اِن خوبیوں کا مسلمانانِ پاکستان کو وارث بنائے اور مرحوم کو اُن خدمات کا بہترین اجر عطا فرمائے۔ آمین۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا پیغام سیمینار قائدِ اعظمؒ ملیر سوسائٹی کے نام

۲۵ دسمبر ۱۹۷۷ء

جمع وتدوینِ قرآن مجید اور مستشرقین

جناب محمد عارف اعظمی، عمری صاحب

حال ہی میں مستشرقین کی مرتب کردہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام جلد پنجم کا دوسرا ایڈیشن منظرِ عام پر آیا ہے۔ یہ انگریزی اور فرنچ دونوں زبانوں میں ہے، اس ضخیم کتاب میں "قرآن" کے عنوان کے تحت مستشرق ولش کا ایک مفصّل مضمون شامل ہے، جس میں اس نے وہ سب اعتراضات یکجا کر دیئے ہیں جو تقریباً دو صدیوں سے چلے آرہے ہیں۔

عہدِ نبویؐ میں جمع وترتیب کی کیفیت

جمع وتدوینِ قرآن کو مستشرقین نے خاص طور پر اپنے اعتراض کا نشانہ بنایا ہے، جس کا اصلی اور بنیادی مقصد یہ ہے کہ قرآن مجید کے متن کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کر دیں، اس سلسلے میں ان کا پہلا اعتراض یہ ہے کہ پورا قرآن مجید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں مدون نہیں ہوا۔ پھر وہ اس بے بنیاد اعتراض کا جواب بھی اپنے ہی مفروضات وقیاسات کی روشنی میں ڈھونڈتے ہیں، چنانچہ بعض کے نزدیک کاتبینِ وحی کی کمی سے ایسا ہوا اور بعض مستشرقین نے تو اس کی یہ مضحکہ خیز توجیہ کی ہے کہ "چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قربِ قیامت کا حد درجہ شدید احساس تھا۔ اور آپؐ جانتے تھے کہ یہ تمام علوم قیامت آنے کے ساتھ ہی فنا ہو جائیں گے۔ اس لیے آپؐ نے قرآن مجید کو جمع کرنے کی ضرورت پر سرے سے زور ہی نہیں دیا۔"

دراصل مستشرقین کی یہ دونوں باتیں لغو اور حقیقت کے برعکس ہیں، ان کا یہ کہنا کہ کاتبانِ وحی کی قلتِ تعداد اس میں مانع ہوئی۔ ان کے مطالعہ اور غور وفکر کی کمی کا نتیجہ

ہے، مختلف روایتوں کے مطابق کاتبینِ وحی کی تعداد بیالیس ۴۲ تھی - چالیس کا اعتراف تو خود مستشرق بلاشیر نے کیا ہے ، نزولِ قرآن کے زمانہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کاتبین کے ذریعہ نازل شدہ قرآن مجید کا املا کراتے تھے اور خود آپؐ ان آیتوں کے محل و مقام کو بھی متعین فرما دیتے تھے جیسا کہ حضرت زیدؓ بن ثابت کے اس ارشاد سے بخوبی واضح ہوتا ہے :

كنا عند رسول الله صلى الله عليه وسلم نؤلف القرآن من الرقاع -

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مختلف ٹکڑوں سے قرآن مجید کو مرتب کرتے تھے -

اسی طرح مستشرق کازانوف کا یہ خیال کہ قربِ قیامت کی شدتِ احساس کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کو مدون کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی ، مسلمان دانشوروں سے پہلے خود مستشرقین کے طبقہ میں رد کیا جا چکا ہے ، چنانچہ بلاشیر نے اس پر سخت تنقید کرتے ہوئے یہ تبصرہ کیا ہے :

" کازانوف کی اس رائے کا نہ تو علمی حلقوں میں کوئی وزن ہے اور نہ ہی اس کا علم سے کوئی تعلق ہے "

تاہم بلاشیر نے اس کی تردید میں اپنے خود ساختہ خیالات کی ترجمانی کی ہے جو اسلامی نقطۂ نظر سے غلط ہے ، وہ لکھتے ہیں :

" یومِ آخرت کا اندازا اور دھمکی صرف مکی دور تک محدود تھی - مدنی عہد میں جو اسلامی شریعت کی ترقی کا دور تھا ، یہ چیز مفقود ہے "

کازانوف کے اس غیر علمی خیال کی سب سے عمدہ تردید فرانس کے ایک مسلمان مصنف ناصر الدین وینیہ نے اپنی کتاب " الشرق فی نظر الغرب " میں کی ہے -

علمائے اسلام نے عہدِ نبویؐ میں قرآن مجید کے مدون نہ ہونے کے اسباب و وجوہ پر مفصل بحث و گفتگو کی ہے - ان کے خیال میں اس کا بنیادی سبب یہ ہے

کہ چونکہ قرآن وقتاً فوقتاً تئیس برس کی مدت میں نازل ہوتا رہا۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تردد لاحق رہتا تھا کہ معلوم نہیں کہ کب کونسی آیت نازل ہو اور کون سی منسوخ ہو جائے۔ یا کسی آیت کا حکم تو برقرار رہے، مگر اس کی تلاوت منسوخ کردی جائے تاہم یہ امر واقعہ تھا کہ پورا قرآن مجید عہد نبوی میں ہی لکھا جا چکا تھا۔ گو وہ ایک مصحف میں بین الدفتین جمع نہ تھا، بلکہ وہ متفرق کاغذ کے پرزوں اور دوسری چیزوں پہ لکھا ہوا تھا۔ علاوہ ازیں وہ صحابہ کرام رضؓ کے سینوں میں بھی محفوظ تھا، جن کا حافظہ نہایت قوی تھا۔ عربوں کے حفظ و ضبط کی غیر معمولی قوت پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے

جمع و تدوین کا زمانہ مستشرقین کی جانب سے ایک سوال یہ بھی پیدا کیا جاتا ہے کہ قرآنِ مجید کا جامعِ اول کون تھا؟ اس بارے میں اس گروہ نے غیر معتبر روایتوں کا بھی سہارا لیا ہے، چنانچہ انسائیکلوپیڈیا کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

> "ایک روایت میں ہے کہ کسی موقع پر حضرت عمر رضؓ نے کوئی آیت دریافت کی تو انہیں بتایا گیا کہ وہ فلاں صاحب کو یاد تھی جو غزوہ یمامہ میں شہید ہو گئے، اس پر حضرت عمر رضؓ کو سخت افسوس ہوا اور انہوں نے قرآن مجید کو جمع کرنے کا حکم صادر فرمایا، چنانچہ اس امر کے بموجب سب سے پہلے قرآن مجید ایک مصحف میں جمع کیا گیا، لیکن بعض دوسری روایتوں کے مطابق حضرت ابوبکر رضؓ نے یہ کام شروع کیا تھا اور حضرت عمر رضؓ نے ان کو اس سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی اور بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضؓ ہی نے جمع قرآن کا کام انجام دیا اور حضرت عمر رضؓ نے اس کی تدوین کی۔"

حقیقت یہ ہے کہ ناقابلِ اعتبار اور متضاد روایتوں کو یکجا کر کے انہیں اپنے مفاد میں استعمال کرنے میں مستشرقین کو بڑی مہارت اور چابکدستی حاصل ہے، یہاں بھی انہوں نے متنِ قرآن کی جمع و ترتیب میں غلط فہمیاں پیدا کر کے اس کے بارے میں مسلمانوں کو شکوک و شبہات میں مبتلا کر دیئے اور اس کی تاریخی حقیقت کو مجروح کرنے

کے لیے روایتوں کے دامن میں پناہ لی ہے۔

مقالہ نگار نے حضرت عمرؓ کی جس روایت کا ذکر کیا ہے اس کو حافظ ابن حجرؒ (متوفی سنہ ۸۵۲ھ) نے منقطع قرار دیا ہے اور جن روایتوں سے اس بارے میں حضرت عمرؓ کی اوّلیت کا ثبوت ملتا ہے ان کے متعلق بھی حافظ ابن حجرؒ نے تصریح کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے سب سے پہلے اس کام کا مشورہ دیا تھا۔

اسی طرح مقالہ نگار کا یہ بیان کہ حضرت ابوبکرؓ نے جمع قرآن کی ابتدا کی، مگر اس کی تدوین حضرت عمرؓ کے ہاتھوں ہوئی۔ دراصل مستشرق بلاشیر کا ایک خودساختہ خیال ہے جس کی تردید صحیح بخاری کی ایک مشہور روایت سے بھی ہوتی ہے، جس کے آخری حصہ میں حضرت زیدؓ بن ثابت کا یہ قول نقل ہوا ہے:

حتی وجدت آخر سورۃ التوبۃ مع ابی خزیمۃ الانصاری لم اجدھا مع احد غیرہ (لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم)۔

"بالآخر مجھ کو سورۃ التوبہ کے آخر کی آیت (لقد جاءکم رسول ... الخ) حضرت ابوخزیمہ انصاریؓ کے پاس ملی جو اور کسی کے پاس نہ تھی"۔

حضرت زیدؓ بن ثابت کے اس ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ جمع قرآن کا کام عہد صدیقی ہی میں پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا تھا۔

عام صحابہؓ کو نظرانداز کرنے کا الزام

بلاشیر کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ جمع و تدوین قرآن کے مشورہ میں عام مسلمانوں کو شامل نہیں کیا گیا تھا، بلکہ یہ تمام تر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی ذاتی دلچسپی اور جدوجہد کا نتیجہ تھا۔ جس کو عام مسلمانوں میں بھی رائج کر دیا گیا، وہ لکھتے ہیں۔

"طبعاً مسلم معاشرہ کو وحیٔ الٰہی کے ایک مدون نسخہ کی حاجت تھی اور ظاہر ہے کہ یہ نسخہ ایسا ہی ہو سکتا تھا جو عام مسلمانوں کی رائے سے مدون کیا گیا ہوتا کہ اس کو عوامی مقبولیت حاصل ہوتی۔ حضرت ابوبکرؓ کے صحیفے اس

معیار پہ پورے نہیں اترتے، کیونکہ ان کی حیثیت حضرت ابوبکرؓ کی ذاتی ملکیت کی تھی، یہی وجہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کسی کے ذہن میں یہ بات نہ تھی کہ وہ بحیثیت خلیفہ عام مسلمانوں پر اس کو لازم قرار دیں"۔

جمعِ قرآن کا بنیادی محرک بلاشیہ غزوۂ یمامہ میں ستر حفاظ صحابہ کی بیک وقت شہادت کا واقعہ تھا جس کے بعد ہی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی توجہ اس اہم کام کی طرف مبذول ہوئی، مگر کیا اس کو ان دونوں بزرگوں کی ذاتی دلچسپی کا نتیجہ قرار دیا جاسکتا ہے یا اس میں عام مسلم معاشرہ کی مصلحت مضمر تھی؟ بالفرض اگر ایسا ہی ہوتا تو ان دونوں بزرگوں کے لیے عام مسلمانوں کے تعاون کے بغیر خود ہی یہ کام انجام دینا کس طرح ممکن ہوتا، سب سے بڑا تعاون تو حضرت زیدؓ بن ثابت کا تھا، جن کو جب اس کام کی زحمت دی گئی تو انہوں نے فرمایا کہ:

فواللہ لو کلفونی نقل جبال ما کان أثقل علی مما أمرانی بہ من جمع القرآن۔

"بخدا اگر وہ لوگ مجھ سے پہاڑ کا بوجھ بھی اٹھانے کے لیے کہتے تو یہ کام میرے لیے قرآنِ کریم کو جمع کرنے کے مقابلے میں زیادہ ہلکا ہوتا"

بلاشیر نے اس بارے میں اس امر سے یہ غلط فہمی بھی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ سے پہلے ہی بعض صحابہ کرامؓ نے بھی انفرادی طور پر اس کام کو انجام دیا تھا۔ مثلاً حضرت معاذؓ بن جبل، حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت ابو درداؓ ابن السکینؓ وغیرہ۔ (باقی)

دینی جدوجہد کا اصل محور

جناب سید محمد صمیم پاشا صاحب

(۳)

ایک اور بڑی غلط فہمی یہ ہے کہ بعض لوگ دعوت وتبلیغ کی بنیاد اس کو بناتے ہیں کہ دین کے معاشی، معاشرتی اور اخلاقی پہلو عوام پر واضح کیے جائیں۔ ذہنوں میں جو ابہام ان کی طرف سے پیدا ہو گیا ہے اُسے دُور کیا جائے اور حکومتِ وقت کو بھی مجبور کیا جائے کہ وہ ان اسلامی قوانین کو ملک کے دستور کی حیثیت سے نافذ کرے، ورنہ ایسی حکومت کے قیام کی از خود سعی کی جائے۔ اُن کے خیال کے مطابق یہ ساری خرابیاں اسی لیے پنپ رہی ہیں کہ اسلامی حکومت موجود نہیں ہے۔ اور ایک مرتبہ اگر "صحیح معنوں میں اسلامی حکومت" قائم ہو گئی اور اسلام کا عدالتی نظام جاری ہو گیا تو وہ حکومت کی مدد اور عدالت کے فیصلوں کے ذریعہ ان ساری خرافات کو "ایک ایک کرکے" ختم کرتے چلے جائیں گے۔

بلاشبہ یہ درست ہے کہ اسلام کے معاشی، معاشرتی اور اخلاقی بلکہ دیگر نوعیت کے بھی تمام احکامات کے نفاذ کی جدوجہد کرنی ضروری ہے۔ اور یہ حقیقت بھی اپنی جگہ اٹل ہے کہ اگر زمین اللہ کی ہے تو اس پر قانون بھی اللہ ہی کا چلنا چاہیے، اور مخلوق پر اس کے خالق ہی کا حکم نافذ اور واجب العمل ہونا حق ہے۔ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ۔ یہ بات بھی شک و شبہ سے بالا تر ہے کہ اگر کوئی کلمہ گو کسی اسلامی قانون کو اپنے مفاد کے خلاف سمجھ کر کہیں اور

سے اپنا مقدمہ فیصل کرائے تو یہ بھی شرک ہی کی ایک قسم ہے اور قرآن مجید میں اسی کو تحاکم الی الطاغوت بھی کہا گیا ہے ۔ یہ بھی صاف عیاں ہے کہ قرآن و سنت میں صرف نماز، روزے، حج یا ذکر و تلاوت ہی کے لیے احکامات نہیں ہیں، بلکہ نکاح، طلاق، وراثت اور ایسے ہی دیگر معاشرتی مسائل میں طریقے اور ضابطے بھی دیے گئے ہیں ۔ حرمت سود، جوئے اور سٹے کی ممانعت، تجارت اور دیگر معاشی سرگرمیوں میں حلال و حرام کی قیود اور عدل اجتماعی کے متوازن اصولوں کو مقرر بھی کیا گیا ہے ۔ نظام مملکت کو درست طریقے پر چلانے اور قائم رکھنے کے لیے راعی اور رعایا کے باہمی حقوق، مشاورت کے احکام، عدلیہ کی آزادی اور دوسرے ریاستی امور کے بارے میں ایک بہت ہی جامع خاکہ بھی دے دیا گیا ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ احکامات و قوانین انہی لوگوں پر نافذ ہونے کے لیے ہیں جن کا ایمان اس ظلم کی تلبیس سے پاک ہو چکا ہو، جس کا نام شرک ہے یا کم از کم بادی النظر میں جو شرک سے تائب ہو چکے ہوں اور مشرکانہ اشغال و مراسم کے اندر مبتلا نہ پائے جائیں ۔ اسلام کی یہ ساری تعلیمات اپنے مزاج میں اُسی فطرۃ کو لیے ہوئے ہیں جس پر اللہ نے اپنے بندوں کو پیدا کیا ہے ۔ وہی لوگ ان کو نبھا کر چل سکتے ہیں ۔ جو اپنی فطرت کو مسخ نہ کر چکے ہوں ۔ یہ شجر کاری صرف ایسی ہی زمین پر ممکن ہے جو تصور زدہ نہ ہو، ورنہ اُصولاً فصل اُگانے سے قبل اس کی سمیت کو دور کرنا لازم ہے ۔

اِس ضرورت کا اندازہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کے طریقۂ کار سے ہوتا ہے، جو دینی جدوجہد کرنے والوں کے لیے بہترین رہنمائی ہے ۔ مکہ کے تیرہ سالہ دور میں زیادہ تر کوششیں نظریاتی انقلاب برپا کرنے کے لیے تھیں ۔ عرب کے معاشی، معاشرتی اور سیاسی حالات پر اخلاقی اعتبار سے زبردست تنقیدیں تو کی گئیں، لیکن اس کے بالمقابل قانونی و دستوری احکامات نازل نہیں ہوئے، بلکہ ان شعبوں میں بھی سب سے زیادہ زور اللہ تعالیٰ کی صفات

اور اُس کے اختیارات کو منوانے، سمجھانے اور ذہن نشین کرلنے پر دیا گیا۔ اس کے بعد جب ایسا خطۂ زمین ـــــ مدینہ ـــ میسر آگیا جہاں علوو تفوق مسلمانوں کو حاصل تھا اور زمام کار بھی ان اہل ایمان کے ہاتھ میں آگئی، جو اللہ تبارک و تعالیٰ کو زبان ہی سے نہیں، بلکہ دل و جان سے تکوینی و تشریعی حاکم، قانون ساز، مقتدر اعلیٰ اور مالک الملک تسلیم کرتے تھے تو مجموعہ معیشت، معاشرت سیاست وغیرہ شعبہ ہائے زندگی کے لیے قانونی و دستوری نوعیت کے تفصیلی احکامات تدریجاً نازل اور نافذ ہوتے چلے گئے۔ اِدھر کوئی حکم اُترتا اور اُدھر کسی ایچ پیچ اور لیت و لعل کے بجائے، آن کی آن میں پورا مسلم معاشرہ اس پر کاربند ہوجاتا تھا۔ زکوٰۃ کا حکم ہجرت کے دو سال بعد نافذ ہوا، زنا، قذف اور لعان کے فوجداری قوانین اور پردے کا حکم ۳ھ میں، پردے کے تفصیلی احکامات ۵ھ کے وسط میں اور نکاح اور طلاق کے ضابطے ۷ھ میں جاری ہوئے اور سُود کی حرمت کا قانون ۸ھ میں نازل ہوا، وغیرہ۔ لیکن اسلام کی اعتقادی تعلیمات کا مسئلہ اس سے بڑی حد تک مختلف تھا۔ شرک کی ایک ایک قسم کو چھوڑ دینے اور توحید کی ایک ایک نوعیت کو مان لینے کا مطالبہ اوّل روز ہی سے تھا۔ اس شعبہ میں تدریجی طریقہ کار اختیار نہیں کیا گیا۔ بلکہ اسلام قبول کرتے ہی ایک مسلم کو شرک کی ہر نوعیت سے دستبردار ہوکر توحید خالص کو مکمل صورت میں اپنانا پڑتا تھا۔

حاشا، اس کا مطلب یہ نہ لیا جائے کہ نفاذِ شریعت کا معاملہ غیر اہم ہے ــ نہیں ہرگز نہیں، کیونکہ اسلام کو اپنا دین کہنے والوں پر اس دینِ کامل پر پورا اطلاق ہونا بدیہی امر ہے ـــ اور اگر اہل کتاب کو لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ۔ مائدہ ۵ ـ ۶۸) (تم ہرگز کسی اصل پر نہیں ہو جب تک کہ توراۃ اور انجیل کو قائم نہ کرو)، کہہ کر ملامت کیا جاسکتا ہے تو اہل اسلام کے لیے بھی اس اُصول پر لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا الْقُرْاٰنَ وَالسُّنَّةَ (تم بھی ہرگز کسی اصل پر نہیں ہو جب تک قرآن و سنت کو قائم نہ کرو)، کا حکم لگانا مبنی برانصاف

ہے۔ نیز اب نہ کسی نئی شریعت کے تدریجی نزول ہی کا انتظار ہے۔ احکامات جو بھی ہیں قرآن وسنت میں موجود ہیں اور اُن کے نفاذ کے لیے اہلِ اسلام اللہ تعالیٰ کے نزدیک مامور اور ماخوذ ہیں ـــ اور شریعت کا بے کم وکاست اجرا ہی وقت کی اہم ضرورت ہے۔ لیکن مطالبہ اس چیز کا ہے کہ جب اسلامی نظام کا راستہ ہموار کرنے اور عوام وخواص میں اسلام کو عملاً پسندیدہ بنانے کی جستجو کرتے ہوئے اگر جدید ریاستوں کے قوانین اور دساتیر کی خامیاں بتائی جاسکتی ہیں، عصر حاضر کے ملحدانہ افکار پر جرح ہوسکتی ہے اور انسانی ذہن کے ساختہ نظام ہائے حیات پر تنقید کرکے اُن کے عیوب کا پردہ چاک کیا جاسکتا ہے۔ اور ان سب کے مقابلہ میں دینی احکامات کے اقتصادی وتمدنی محاسن اور بینک کاری، تجارت اور عدالت کے اسلامی اصولوں کی خوبیاں اُجاگر کرنے کے لیے سرگرمی بھی دکھائی جاسکتی ہے تو پھر ان مشرکانہ خرافات واعتقادات کی قلعی کھولنے اور اسلامی عقاید کی حقیقت سمجھانے کے لیے بھی اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ ہی محنت کرنی چاہیے۔ اللہ کے ساتھ یا اُس کے سوا کسی اور کو ما فوق الاسباب ولی وکارساز، حاجت روا مشکل کشا اور حامی وناصر سمجھنا یا وسیلہ اور سفارشی بناتے ہوئے اپنی بگڑی بنانے اور مرادیں پوری کرانے کے لیے پکارنا اور اسی طرح کے دیگر صریح مشرکانہ افعال کا ارتکاب بھی کوئی ذاتی مسئلہ نہیں ہے کہ جس کو اہلِ اسلام کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا ہو، بلکہ قرآن وسنت کے محکم ارشادات کے برخلاف ایک روش ہے۔ حق اپنے سامنے باطل کا ساجھا لگانے پر ہرگز تیار نہیں ہے، اور نہ شریعت ان منکرات کے ساتھ نبھ کر چل سکتی ہے۔ آج تو صورت حال یہ ہے کہ اُمت کا جمِ غفیر توحید کے کسی ایک شعبہ ہی میں نہیں بلکہ شاید تمام ہی شعبوں میں ابہام کا شکار ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کی معرفت صحیحہ اُس کو حاصل نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جن علاقوں میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک مشرکانہ اور جاہلانہ خرافات کی ہوائیں چل رہی ہوں، جہاں ہر چھوٹے بڑے قصبہ اور شہر میں

وفات یافتہ بزرگوں کی قبریں سجدہ گاہ بنائی جا رہی ہوں، قبروں اور آستانوں پر عقیدت مندوں کا ہجوم سارا دن خشوع و خضوع کے ساتھ طواف کرنا، تبرک اور نذرانے چڑھانا، منتیں اور مرادیں مانگتا اور صاحبِ قبر کی دھائیاں دیتا نظر آئے، جن علاقوں میں بزرگانِ دین کو مشکل کشا، داتا، دستگیر، غوث، گنج بخش وغیرہ وغیرہ سمجھ کر اپنی حاجت براری کے لیے صبح و شام پکارا جاتا ہو۔ جہاں کی اکثر مسجدوں میں شرکیہ علامات اور عقیدہ کی بدعتوں کا علانیہ دور دورہ ہو، جہاں سال کے کچھ خاص دنوں میں علم، پنجے، ذوالجناح، تابوت اور شبیہوں کے طول طویل جلوس نکال کر جو یا چاپائی ہوتی ہو اور جہاں لاکھوں افراد کسی کے دامن سے وابستگی کا تصور ذہنوں میں جما کر آخرت کی جواب دہی سے بے پروا ہو گئے ہوں اور جہاں ایسے اور اسی نوعیت کے ہزاروں مشرکانہ اعمال و رسومات کے لیے مذہبی استدلال بھی مشرکینِ عرب سے کچھ مختلف نہ کیا جاتا ہو، جہاں ان منکرات کے خلاف کرنے والوں کی حوصلہ افزائی نہ ہوتی ہو بلکہ ان کو اپنا جانی دشمن سمجھا جائے اور جہاں کے اچھے خاصے دیندار لوگ بھی ان فواحش کو دین کے فروعی اور اختلافی مسائل کہہ کر نظر انداز کر دیتے ہوں، وہاں کرنے کا اصل کام یہ ہے کہ لوگوں کے دل و دماغ میں اللہ کی عظمت و کبریائی، اُس کی جلالت و قدرت، اور اُس کی شانِ یکتائی و بے نیازی کو اُتارا جائے۔ حقیقتِ آخرت، مناظرِ قدرت، جنت کے حسن و انعامات، جہنم کی دل خراش ہولناکیوں اور اللہ کے حضور بندوں کی پیشی اور اعمال کی باز پرس کا احساس دلا کر اُن کے قلوب و اذہان میں اُسی ایک کے واحد و قہار اور مالکِ یوم الدین ہونے کا حقیقی تصور پیدا کیا جائے۔ انذار و تبشیر کے موثر طریقوں سے حکمت و موعظہ حسنہ کے لطیف پیرایوں سے، آفاق و انفس کی زندہ شہادتوں سے اور کلامِ الٰہی کے رقت انگیز اور ولولہ افروز خطبات کے ذریعہ شرک اور اس کی تمام اقسام پر مدلل تنقید، ان کی ضلالت و قباحت کا نمایاں اظہار اور

(باقی بر صفحہ ۳۵)

قانونِ دیت کی قابلِ غور تفصیلات

مولانا خلیل احمد حامدی صاحب

دیت کا قانون ناواقفیت کی وجہ سے بعض حلقوں میں تشویش کا موجب بن گیا ہے یہ قانون اللہ تعالیٰ کی کتاب اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی واضح نصوص پر مبنی ہے۔ اسلام نے انسانی جان کو بڑا محترم قرار دیا ہے۔ اس جان کا ضیاع کوئی دانستہ کرے یا نادانستہ، شریعتِ الٰہی اس پر شدید گرفت کرتی ہے۔ انسان کا قتل اپنے پیچھے سینکڑوں مصائب و مسائل پیدا کر جاتا ہے۔ مقتول کے والدین خدمت گار سے محروم ہو جاتے ہیں اور زندگی کے آخری لمحات تک تکلیف و غم کی تاریکیوں میں ڈوبے رہتے ہیں۔ اولاد وارث سے محروم ہو جاتی ہے اور ان کا مستقبل (خاص طور پر پاکستان جیسے ملک میں) تباہ ہو جاتا ہے۔ حادثات کی وجہ سے خاندان اپنے اچھے کمانے والوں سے تہی دست ہو گئے۔ بچے یتیم، عورتیں بیوہ، بہنیں بے سہارا اور والدین غمزدہ و آفت زدہ ہو کر رہ جاتے ہیں۔ شریعتِ الٰہی جو انسانوں کو عدل و انصاف، رحمدلی و ایثار اور محبت و اخوت کا درس دیتی ہے، کیا انسانی جان کو رائیگاں جانے دے گی۔ ایک طرف شریعت نے انسانی جان کے تحفظ کا اہتمام فرمایا ہے اور دوسری طرف اس کے بالارادہ یا بلا ارادہ ضیاع پر بھی اس کے وارثوں کی مواسات اور دل جوئی کی ہے۔ جہاں تک کسی انسانی جان کو قصداً ضائع کرنے کا تعلق ہے تو اللہ کی شریعت اور محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نے قصاص کا حکم دیا ہے۔ یعنی قاتل سے قتل کا بدلہ، قتل کی شکل میں لیا جائے۔ اِلّا یہ کہ وارث خود قاتل کو معاف کر دیں

یا اس کے عوض دیت وصول کر لیں۔ اللہ تعالیٰ نے قصاص کے قانون کے بارے میں فرمایا ہے کہ" اس میں تمہارے لیے (اے خدا اور رسولؐ کے ماننے والو) زندگی ہے۔"

جو جان کسی غلطی اور غیر ارادی فعل کے نتیجے میں ضائع ہوتی ہے، شریعت نے اس کا حل بھی پیدا فرما دیا ہے۔ اور اس کی صورت یہ مقرر فرمائی ہے کہ قتل خطاء کا ارتکاب کرنے والا مقتول کے وارثوں کو مال کی شکل میں دیت ادا کرے۔ تو کیا ایک انسانی جان کے بدلے میں (جس کی واپسی ناممکن ہے اور جو اپنے پیچھے ہزاروں مصیبتیں چھوڑ گئی ہے) قاتل کے لیے مالی طور پر کچھ بوجھ برداشت کر لینا بھی گوارا نہیں ہے؟ یہ مالی معاوضہ جان کی قیمت نہیں ہے اور نہ کوئی معاوضہ جان کی قیمت بن سکتا ہے۔ یہ تو صرف اُس نقصان کی معمولی سی تلافی ہے جو مقتول کے وارثوں کو لاحق ہو گیا ہے۔ قتلِ خطاء کے بارے میں ہمیں اسلام کے اندر جو تفصیلات ملتی ہیں ان کی روشنی میں ہم بلا مبالغہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام نے اس مسئلے کو ہر فریق کے لیے انتہائی باعثِ رحمت بنا دیا ہے۔

شریعت میں خطاء کا پیمانہ یہ ہے کہ بے احتیاطی برتی گئی ہو جس کے نتیجے میں انسانی جان ضائع ہو گئی ہے۔ "بے احتیاطی" (عدم التحرز) میں غفلت، خودسری، افراط و تفریط، غور سے نہ دیکھنا، بے نیازی برتنا، شرعی احکام کا لحاظ نہ کرنا، سرکاری قواعد و ضوابط اور ہدایات کو پس پشت ڈال دینا، یہ سب باتیں آجاتی ہیں اور بے احتیاطی کے نتیجے میں ضائع ہونے والی جان قتل خطا سمجھی جائے گی اور اس کا ارتکاب کرنے والا اس کا ذمہ دار ہو گا۔ فقہاء نے وضاحت کی ہے کہ عدالت "بے احتیاطی" کی تحقیق کرے گی اور ثابت نہ ہونے کی صورت میں مقتول کے ورثاء کا دعوائے دیت ساقط ہو جائے گا۔

دیت کے بارے میں شریعت نے واضح کر دیا ہے کہ:

"کل دیة وجبت بنفس القتل الخطاء اوشبه

العمد تتحمله العاقلة۔

۱/۲ وہ دیت جو قتلِ خطا یا شبہ قتل کے بدلے میں لازم ہو گی اسے "عاقلہ" پر ڈالا جائے گا۔

عاقلہ سے مراد انسان کا قبیلہ اور برادری ہے۔ دیت خطا میں عاقلہ بھی ذمہ دار ہے۔ اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود دو تین مقدمات میں قتلِ خطا کی دیت عاقلہ پر عاید کی تھی۔ اس کی علت یہ بیان کی گئی ہے کہ بطور خطا انسان سے بکثرت واقعات ہوتے رہتے ہیں اور چونکہ مقتول انسان کی دیت بہت ہے (سو اونٹ) اس لیے جانی (مرتکب خطا) پر پورا مالی بوجھ ڈال دینا زیادتی ہو گی۔ چنانچہ شریعتِ الٰہی نے یہ حکیمانہ طریقہ اختیار کیا کہ قاتل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے اس کے جملہ اہلِ قبیلہ کو بھی اس بوجھ میں شریک کر دیا۔

"عاقلہ" کو مقتول کی دیت میں کتنی مقدار میں شریک کیا جائے گا؟ اس میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "یہ مقدار عدالت کی صوابدید پر چھوڑ دی گئی ہے یعنی عدالت قاتل اور اس کے قبیلے کے حالات دیکھ کر یہ فیصلہ کرے گی کہ قاتل خود کس حد تک دیت ادا کرے اور اس کا قبیلہ کس حد تک۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی اس رائے کو فقہائے اسلام کے اندر قبولیت حاصل ہوئی ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلیفہ اول سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور تک تو عاقلہ کا وہی تصور تھا جو اُوپر بیان کیا گیا ہے یعنی قاتل کے قریبی رشتہ دار اور اہلِ قبیلہ (ان کی تفصیلات فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں اسلامی ریاست کو بڑی وسعت حاصل ہوئی، قبائل بھی منتشر ہو گئے اور دعوت و تبلیغ اور جہاد و قتال کا نظام بھی وسیع ہو گیا۔ چنانچہ خلیفہ دوم نے عاقلہ کے بجائے "اہلِ دیوان" کا نظام جاری کر دیا۔ ابراہیم نخعی بیان کرتے ہیں کہ پہلے دیت قبائل پر ڈالی جاتی تھی، مگر جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے "دواوین" کا سسٹم جاری کیا تو دیت بھی اہلِ دیوان پر ڈال دی اور تمام صحابہؓ نے اسے قبول کر لیا۔ دیوان سے

مراد سرکاری محکموں اور فوجوں اور محصولات وصول کرنے والوں کا وہ نظام ہے جس کی بدولت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سرکاری واجبات وصول کرتے اور سرکاری کارندوں کے وظائف جاری کرتے اور بیت المال سے دیئے جاتے والے عطیات تقسیم کرتے۔ ہر طبقے کی الگ الگ فہرستیں وضع کی گئیں۔ ان میں وہ لوگ بھی تھے جو باہم رشتہ دار تھے۔ اور وہ بھی جو ہم پیشہ تھے۔ اس نظام کے بعد قاتل پر عاید ہونے والی دیت بھی اہلِ دیوان پر انصاف کے مطابق تقسیم کر دی جاتی تھی جسے لوگ خوش دلی سے قبول کر لیتے تھے۔

فقہاء نے یہ بھی وضاحت کی ہے کہ اگر قاتل کا کوئی قبیلہ یا دیوان نہ ہو، جیسے بے نسب شخص یا وہ شخص جو دارالحرب سے تعلق رکھتا ہے یا وہ ذمی جو مسلمان ہو گیا ہے اور اب اس کا تعلق اپنے قبیلے سے ختم ہو گیا ہے تو ظاہر الروایۃ کے مطابق اس کی دیت سرکاری خزانے پر ہو گی۔

عاقلہ ہو یا دیوان یا سرکاری بیت المال یہ ادارے قاتل کی پوری دیت کے حقدار نہ ہوں گے بلکہ ایک حصے کے اندر شریک ہوں گے۔ بعض فقہاء نے وضاحت کی ہے کہ ایک تہائی دیت قاتل پر اور دو تہائی دیت عاقلہ پر ڈالی جا سکتی ہے۔ حنفیہ کے نامور فقیہ کاسانی نے لکھا ہے کہ "اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ دیت خطا یک بارگی نہیں، بلکہ تین سالوں کے اندر ادا کی جائے گی"۔ کاسانی نے یہ رائے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلوں سے اخذ کی ہے۔ اگر قاتل اہلِ دیوان میں سے ہو گا تو دیت تین عطیات میں سے لی جائے گی اور یہ تین سال میں مکمل ہو گی، کیوں کہ اس دور میں عطیات کا اجرا سالانہ ہوتا تھا۔ اگر یہ تین عطیات ایک ہی سال میں وصول ہو گئے تو پھر ایک ہی سال کے اندر دیت وصول کی جائے گی"۔ موجودہ دور میں عطیات یا تنخواہیں سالانہ کے بجائے ماہانہ ہوتی ہیں لہٰذا عدالت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ دیت کی کتنی قسطیں مقرر کرتی ہے۔

اگر ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نظامِ دیوان کو سامنے رکھیں تو آج کے دور

میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ ڈرائیور کا عاقلہ یا دیوان دو طرح کے ادارے ہو سکتے ہیں۔ ایک ڈرائیوروں کی اپنی یونین جس میں ڈرائیور ماہانہ فنڈ جمع کراتے ہیں اور دوسرا ٹرانسپورٹ کے مالکان کی ایسوسی ایشن یا خود مالک۔ اسی طرح اگر سڑک خراب ہو تو اس میں حالات اور واقعات کی روشنی میں سڑکوں کے محکمے کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ یہ ثابت ہو جائے کہ ڈرائیور کی احتیاط کے باوجود صرف سڑک کی توڑ پھوڑ اور خستگی کی وجہ سے حادثہ پیش آیا ہے۔

بہر حال قصاص و دیت کا قانون قرآن و حدیث کا قانون ہے۔ اس قانون کی تضحیک گویا، خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تضحیک ہے۔ ہمیں امید ہے کہ جو حضرات خدا پہ ایمان اور حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم پہ ایمان اور ان سے محبت رکھتے ہیں، وہ اس تضحیک میں شامل نہیں ہوں گے۔ آج یہ قانون سخت نظر آرہا ہے، مگر دنیا میں بھی اس کی برکات اِن شاءاللہ ظاہر ہوں گی۔ اور آخرت میں بھی قتلِ انسانی کے جرم کی وجہ سے ملنے والی سزا سے بھی نجات ہو گی۔

(بقیہ دینی جدوجہد کا اصل محور)

ان کے دنیوی اور اخروی انجام کی عبرت ناکیوں سے متنبہ کرتے ہوئے توحید کی حقیقت اور اس کے ایک ایک تقاضے کو آشکار کیا جائے۔ گویا اللہ کے بندوں کو توبہ اور رجوع الی اللہ کی طرف ترغیب دلاتے ہوئے ایمان کی دعوت کا غلغلہ بلند ہونا چاہیے۔ ان برائیوں کے خلاف نبرد آزمائی نہ کرتے ہوئے اسلامی حکومت اور اسلامی عدالتوں کے قیام اور قرار کی باتیں محض خوش خیالی ہیں۔ بدقسمتی یہ ہے کہ یہ سب کچھ جان کر بھی دین کے بہت سے ہمدرد اور مخلص اسلامی انقلاب کے اس سیدھے اور بالراست طریقے کو اختیار کرنے سے پس و پیش کرتے ہیں۔ (باقی)

قانونِ دیت کے متعلق چند وضاحتیں

نعیم صدیقی

ضروری استثنا

۱- یہ تحقیق ضروری ہے کہ آیا کوئی شخص اپنی کسی غلطی کی وجہ سے خواہ مخواہ گاڑی کی زد میں تو نہیں آ گیا۔ مثلاً یکایک کود کر یا دوڑ کر حادثے کا شکار ہو جانا۔ ایسی صورت میں ذمہ داری ڈرائیور پر عائد نہ ہو گی۔

۲- اگر کسی گاڑی کا ٹائی راڈ کھل جائے یا بریکیں فیل ہو جانے کی وجہ سے غیر متوقع طور پر بدنصیبی کی وجہ سے کوئی جانی نقصان ہو جائے تو ایسی صورت میں بھی ڈرائیور کی ذمہ داری نہ ہو گی۔

۳- اگر سڑک کے نشیب و فراز کی وجہ سے یکایک کوئی گڑھا یا دراڑ سامنے آ جائے۔ ڈھکن کے بغیر کوئی مین ہول منہ کھولے سامنے ہو، سڑک کے کسی شکستہ یا نشیبی حصے میں پانی کیچڑ زیادہ مقدار میں جمع ہوں، اور یہ چیزیں گاڑی کو یکایک موڑنے کا باعث ہوں، یا کسی موڑ پر اچانک کوئی گاڑی، سکوٹر یا سائیکل یا بیل گاڑی یا اونٹ یا بھینیں سامنے آ جائیں تو ڈرائیور مجبور ہو کر حالتِ اضطرار میں گاڑی کو کسی محفوظ جانب موڑے تو اس صورت میں بھی قتل خطا کا قانون لاگو نہیں ہو گا۔ کیونکہ ڈرائیور نے گاڑی اور اس کے بیس تیس مسافروں کے زیادہ بڑے نقصان سے بچاؤ کے لیے کم نقصان کی ایک غیر اختیاری صورت اختیار کی۔ اس کا فعل اضطراری محسوب ہو گا۔

نوٹ: مگر ایسے بہت سے امور کے لیے جج، مجسٹریٹ کو خود موقع پر جانا چاہیے۔ اسلامی روایت بھی یہی ہے۔

دیت کی رقم کے بوجھ کی تقسیم:

۱۔ ڈرائیور: اس کے مالی حالات، جائیداد اور تنخواہ کا لحاظ رکھ کر رقم کا تعین کیا جائے۔ (مثلاً ۱/۲ یا ۱/۴) تین سال میں عائد ہونے والی اقساط کی صورت میں وصولی کا انتظام۔

۲۔ ٹرانسپورٹر یا گاڑی کی مالک فرم یا شخص کا حصّہ۔

۳۔ حکومت (پولیس، ٹریفک پولیس، محکمہ تعمیرات وشاہرات، محکمہ نقل وحمل وغیرہ) عاقلہ مؤخر الذکر کو کم از کم مجموعی دیت کا ۱/۲ حصّہ ادا کرنا چاہیے۔ لیکن اگر قتلِ خطا، کا مجرم ذاتی طور پر ۱/۲ حصّہ ادا کرنے کے بھی ذرائع نہ رکھتا ہو تو پھر "عاقلہ" کو کمی پوری کرنی ہوگی۔

۴۔ آخری مرتبے پر عاقلہ حکومت (یا اس کا بیت المال) ہے۔ اسے ڈرائیور اور اس کی عاقلہ کی امکانی ادائیگی کی کمی پوری کرنی ہوگی، اور اگر اوّل الذکر دونوں فریق کچھ بھی نہ کر سکیں، یعنی ڈرائیور نادار ہو اور اس کے ساتھ کوئی عاقلہ نہ ہو تو پھر عاقلہ حکومت ہوگی۔

عاقلہ سے مراد:۔ برادری، خاندان، فرم، ایسوسی ایشن، یونین، ہر محکمہ سرکار، چیمبر آف کامرس، چیمبر آف ایگریکلچر وغیرہ، جن سے وابستہ آدمی ہمدردی اور مدد امداد کا متوقع ہوتا ہے۔

۵۔ قتلِ خطا کا مرتکب ڈرائیور جتنا کچھ ادا کر سکے (ضروری تحقیق کر لی جائے) اس کا مابقا حصّہ عاقلہ کو دینا ہوگا جس میں متذکرہ بالا گروپس میں سے جو بھی شامل ہوں وہ سب حصّہ دار ہوں گے۔ آخری ذمہ داری حکومت پر ہوگی۔

۶۔ آسان طریقہ: گاڑیوں کے مالک اگر ٹرانسپورٹر ہوں یا فرمیں یا ادارے ہوں تو وہ ماہانہ فی گاڑی (مثلاً ۵ یا ۱۰ روپے) ایک روٹ میں جمع کریں۔ اس سلسلے کو وسیع تر کرنے کے لیے تمام ٹرانسپورٹ ایجنسیوں، فرموں اور ایسوسی ایشنوں کا فنڈ اکٹھا رکھا جا سکتا ہے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہر ڈرائیور کی تنخواہ کے مطابق ایک پیسہ فی روپیہ یا علی الحساب ۲،۴ روپے جمع ہوں۔ اگر ڈرائیور کوئی حادثہ نہ کرے تو اس کی جمع شدہ رقم اختتامِ ملازمت پر ادا کر دی جائے۔ ورنہ "دیت فنڈ" میں محفوظ رہے۔ یہ فنڈ کسی بھی صورت میں سودی بیمہ والی شکل اختیار نہ کرے۔

تیسری طرف عاقلہ کا ایک بڑا حصہ حکومت اور اس کے متعلقہ محکمے ہیں۔ سڑکوں اور ٹریفک کی خرابیوں، رشوتوں پر ناجائز لائسنسوں کا اجراء، از کار رفتہ اور دھواں چھوڑنے والی خستہ حال گاڑیوں کو سڑک پر لانے کے لیے اجازت نامے دینے کی ذمہ داری اور اوور لوڈنگ وغیرہ، سب کا وبال حکومت پر پڑتا ہے۔ لہٰذا کم سے کم نصف دیت حکومت یا اس کے متعلقہ محکمے ادا کریں۔ میرا خیال ہے کہ دیت کے فریقوں کا سمجھوتہ حسبِ ذیل فارمولے پر ہونا چاہیے۔

۱۔ ڈرائیور ۳۰۰۰۰/- (خاصی مؤثر رقم ہے)[1]

۲۔ عاقلہ (ا) برادری، کمپنی، محکمہ، ایسوسی ایشن، فرم وغیرہ ۷۰۰۰۰/- روپے

(ب) حکومت اور اس کے محکمے ۷۰۰۰۰/- روپے

ٹوٹل = ۱۷۰۰۰۰/- روپیہ

نوٹ۔ ڈرائیوروں اور متعلقہ مالکان یا فرموں وغیرہ کو یہ خیال کرنا چاہیے کہ پچھلے دنوں کئی واقعات ایسے ہوئے ہیں کہ جس گاڑی کی زد میں کوئی شخص آیا اس گاڑی کو لوگوں نے موقع پر ہی جلا دیا۔ اور یہ نقصان بالعموم ۱۷۰۰۰۰/- روپے سے اول تو زیادہ ہوتا ہے، ورنہ کچھ ہی کم۔ دیت کا قانون اس متذکرہ نقصان سے بہتر ہے۔

احتیاطی تدابیر:۔

۱۔ سڑکوں کی چوڑائی، موڑوں اور چوراہوں کی درستی کا خاص اہتمام کرنا،

---

[1] لیکن اگر ڈرائیور کے املاک اور آمدنی میں کم گنجائش نکلے یا سرے سے وہ کچھ بھی دینے کے قابل نہ ہو تو پوری رقم دو حصوں میں غیر سرکاری عاقلہ اور حکومت پر تقسیم کی جا سکتی ہے۔

گڑھوں اور شکستگی کو فوراً رفع کرنا، کسی بھی خلل انداز چیز کے راستے میں ہونے کی صورت میں ۲ فرلانگ پہلے سے انتباہی بورڈ لگانا، ٹریفک کے نشانات نصب کرنا، جابجا رفتاروں کا تعین کرنا نہایت ضروری ہے اور متحرک گاڑیوں سے ان کی چیکنگ کی جائے

۲- لائسنس صرف ان لوگوں کو دیئے جائیں جو باقاعدہ منظور شدہ رجسٹرڈ ٹریننگ ادارے سے ضابطے کا ڈپلومہ لے کر نکلیں گے۔ اور لائسنس دینے والی اتھارٹی ہر ماہ یا ہر سہ ماہی کو تاریخ مقرر کر کے ایک بورڈ ٹسٹ لینے کے لیے مقرر کرے جس میں ایک رکن پولیس کا افسر، ایک بلدیاتی کونسلر اور ایک وفاقی یا صوبائی رکن اسمبلی ہو۔ ان کے متفقہ فیصلے پر لائسنس جاری ہو۔

۳- ترقی یافتہ ملکوں کے معیار سے کم سہی، مگر شہروں اور بیرون شہر کی سڑکوں پر پولیس کی گاڑیاں نگرانی کے لیے گشت کریں۔ اور موقع پر جرمانہ کریں جو ہر غلطی کے لیے بطور ضابطہ مقرر ہو۔ اور سلپ بک یا ٹکٹ بک پر درج ہو جائے۔

۴- بہت پرانی (مثلاً دس سال جن پر گذر چکے ہوں) یا ڈیزل کا دھواں چھوڑنے والی گاڑیاں سڑکوں پر لانے کی قطعی ممانعت کر دی جائے اور اگر کوئی خلاف ورزی کرے تو جرمانے کیے جائیں۔

۵- اوور لوڈنگ کو شدید ترین جرم قرار دیا جائے اور اس سلسلہ میں بھی چیکنگ کا متحرک انتظام گاڑیوں کو پکڑے اور ان پر فی زائد سواری بھاری جرمانہ کرے۔ نیز جو لوگ پائیدانوں پر کھڑے یا چھتوں پر کھڑے ہوئے یا لٹکے ہوئے یا سیڑھیوں پر لٹکے ہوئے ملیں، ان پر انفرادی جرمانے کئے جائیں۔ چاہے ان کی مقدار ۵، ۱۰ روپے ہی ہو۔

اس قسم کے اہم معاملات جن کی وسعت زیادہ ہو (یعنی بہت سے مجرموں کا معاملہ ہو اور خطرہ ہو کہ وہ مقابلہ کریں گے یا بھاگ نکلیں گے ان کے لیے یا تو پولیس ٹیم بڑی تعداد میں نکلے یا پھر کسی اگلے بڑے پولیس اسٹیشن کو اطلاع کر کے مزید پولیس چند میل آگے سڑک پر منگوانے کا انتظام کیا جائے۔

۶ — اگر گاڑیاں باہم دگر ریس کریں اور آگے نکلنے کی کوشش کریں تو یہ دیکھنے والے کا فرض ہے کہ خود مسافروں کو بھی کہ وہ گاڑی سے اترنے کے بعد اس کا نمبر کسی ٹریفک والے کو درج کرا کے شکایت لکھادیں۔ نگران پولیس گاڑی اگر خود موقع پر پہنچ جائے تو وہ دونوں پر بھاری جرمانہ کرے یا چالان کرا دے یا اگلے کسی قریبی پولیس اسٹیشن کو بذریعہ ٹیلی فون مطلع کر دے۔

۷ — یہ قاعدہ بنا دیا جائے کہ خاص خاص مقامات جو شہروں میں سڑکیں پار کرنے کے لیے مقرر کیے جائیں۔ وہاں اگر لوگ گذرنے کے لیے کھڑے ہوں تو لازم ہے کہ گاڑیاں نشاناتِ مقررہ پر رُک جائیں اور لوگوں کے گذر جانے کے بعد چلیں۔

حفاظتی تدابیر میں اضافہ

استعمال شدہ گاڑیوں کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھنے سے پہلے ہر ڈرائیور کو ان تمام پارٹس کا جائزہ لینا چاہیے، جن کی خرابی کسی حادثے کا باعث بن کر مسافروں کے لیے باعث پریشانی اور کسی پیدل یا سائیکل سوار یا موٹر سائیکلسٹ کے لیے یا غیر مشینی گاڑیوں کے لیے نقصان دہ ہوسکتی ہے۔

اس کے لیے باقاعدہ فارم پر ہر ڈرائیور دستخط کر کے سٹیرنگ سنبھالے کہ میں نے فلاں فلاں چیزیں چیک کرلی ہیں۔ فارم بنا کر ایسے ضروری پارٹس کا اندراج کیا جائے۔

خاص طور پر بریکیں ایسی ہونی چاہئیں کہ اگر کسی خطرناک صورت میں گاڑی کو یکایک روکنا پڑے تو بریکیں پہیوں کو فوراً کس لیں۔

نوٹ: قانونِ شریعت کی برکت دیکھیے کہ اعلان ہوتے ہی حادثات کی تعداد بہت کم ہوگئی ہے۔ اور رفتاروں پر کنٹرول ہونے لگا ہے۔ پہلے تو گویا کوئی احساسِ ذمہ داری تھا ہی نہیں۔

رسائل و مسائل

عورتوں کے لیے طلائی زیورات

سوال: ریشم اور سونے کے زیورات کے بارے میں مردوں کے لیے حرام ہونا تو سُنا تھا۔ لیکن ماہنامہ حکایت فروری ۱۹۸۸ء میں پروفیسر رفیع اللہ شہاب صاحب کے مضمون سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مردوں کی طرح عورتوں کے لیے بھی بالکل حرام ہے۔ اِس کے بارے میں اپنی تحقیق اور تفصیل سے جواب مرحمت فرمائیں۔ کیونکہ اس میں ایک صریح حرام حلال کا معاملہ ہے۔ رفیع اللہ صاحب کا مطبوعہ مضمون ارسال کر رہا ہوں۔

جواب: میں نے آپ کے ارسال کردہ مضمون کا تراشہ پڑھا۔ رفیع اللہ شہاب صاحب نے اپنے مضمون کا آغاز اس دعوے سے کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے مردوں کے لیے سونے کا استعمال ناجائز قرار دیا، پھر عورتوں کے لیے بھی سونے کے زیورات پہننا حرام قرار دے دیا۔ اور اس بارے میں بقول ان کے "کوئی درجن بھر" احادیث ملتی ہیں۔ اس کے بعد انھوں نے سنن ابی داؤد کی ایک حدیث کا ترجمہ نقل کیا ہے جسے ابوداؤد اور دوسرے محدثین نے ان کے کہنے کے مطابق صحیح قرار دیا ہے۔ اس حدیث کا ترجمہ اُن کے الفاظ میں درج ذیل ہے:

"حضرت حذیفہؓ کی ایک بہن سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ اے عورتوں کی جماعت، تم چاندی کے زیورات کیوں نہیں پہنتیں؟ کیونکہ تم میں سے جو عورت سونے کا زیور پہنے گی اور اس کی نمائش کرے گی تو قیامت کے دن اُسے اسی زیور سے عذاب دیا جائے گا۔"

یہ روایت سند کے لحاظ سے درجۂ صحت کو نہیں پہنچتی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے والی خاتون کا نام اس روایت میں مذکور نہیں۔ حضرت حذیفہؓ کی ایک بہن سے کون سی بہن مراد ہے جب کہ ان کی کئی بہنیں تھیں، جن میں ایک کا نام فاطمہ اور دوسری کا نام خولہ تھا۔ جب تک نام کی صراحت نہ ہو تو انہیں مجہول شمار کیا جائے گا۔
پھر شہاب صاحب نے اس روایت کی پوری سند نقل نہیں کی جو اس طرح ہے:

عن ربعی بن خراش عن امرأته عن اخت لحذیفة

(ربعی بن خراش اپنی بیوی سے اور وہ حضرت حذیفہؓ کی بہن سے روایت کرتی ہیں)

گویا کہ حضرت حذیفہؓ کی نامعلوم الاسم بہن ایک دوسری خاتون سے بیان کرتی ہیں جو ربعی بن خراش کی بیوی تھیں، اور وہ بھی نامعلوم الاسم ہیں۔ حلت و حرمت کے احکام کی بحث میں شہاب صاحب سب سے پہلے وہ روایت لاتے ہیں جس کی سند وہ خاتون ہیں جن کا نام نامعلوم ہے، شہاب صاحب کے بقول اسے محدثین نے صحیح قرار دیا ہے، لیکن شہاب صاحب ان محدثین کا نام نہیں بتا سکتے۔ ایک جلیل القدر محدث حافظ منذری ہیں جنہوں نے سنن ابن داؤد کا اختصار کیا ہے، وہ اسی روایت کی شرح میں فرماتے ہیں: امرأة ربعی مجهولة (ربعی کی بیوی مجہولہ ہیں، ان کا نام معلوم نہیں) پھر لکھتے ہیں۔ ان صح فهو منسوخ (اگر عورتوں کے لیے سنہری زیور والی یہ روایت صحیح بھی ہو تو وہ منسوخ ہے)۔

دوسری حدیث جو شہاب صاحب نے نقل کی ہے وہ یہ ہے: حضرت اسماءؓ بنت یزید نے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ جس عورت نے بھی اپنے گلے میں سونے کا گلوبند پہنا تو قیامت کے دن اسے ویسا ہی آگ کا گلوبند پہنایا جائے گا اور جو عورت بھی اپنے کانوں میں سونے کی بالیاں پہنے گی، آگ اس کے کانوں میں ڈال دی جائے گی۔
اس حدیث کے الفاظ میں بلاشبہ عورتوں کے لیے سونے کے زیورات کے لیے سخت وعید ہے، لیکن ان صحابیہ کی روایت کردہ ایک دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی حدیث میں کچھ تفصیل و تخصیص مذکور نہیں جو دوسری حدیث میں موجود ہے۔ مسند احمد

جلد ۶ ص ۴۶۱ کی آخری حدیث جو انہی حضرت اسماء بنت یزید سے مروی ہے وہ یہ ہے:

عن اسماء بنت یزید قالت دخلت انا وخالتی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعلیھا اسورۃ من ذھب فقال لنا اتعطیان زکاتہ قالت فقلنا لا۔ قال اما تخافان ان یسورکما اللہ اسورۃ من نار۔ ادیا زکاتہ

(اسماؓ بنت یزید سے روایت ہے کہ میں اور میری خالہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئیں اور میری خالہ نے سونے کے کنگن پہن رکھے تھے۔ آنحضورؐ نے ہم سے فرمایا: کیا ان کی زکوٰۃ دیتی ہو؟ ہم نے نفی میں جواب دیا۔ تو آپؐ نے فرمایا، کیا تم اس سے نہیں ڈرتی ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں آگ کے کنگن پہنائے؟ اس زیور کی زکوٰۃ ادا کرو۔)

اِس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ عورتوں کے سنہری زیورات کی وعید اس صورت سے متعلق ہے جب کہ ان کی زکوٰۃ ادا نہ کی جائے، ورنہ اگر خواتین کے لیے سونا پہننا سرے سے جائز نہ ہوتا، تو اس زیور کی زکوٰۃ کے ادا کرنے کا سوال کیسے پیدا ہوگا؟ محدثین وفقہاء کا متفقہ مسلک یہی ہے کہ عورتوں کے لیے ایسا زیور جائز ہے اور اگر بقدر نصاب ہو تو اس پر زکوٰۃ ہے۔ بعض علماء کا قول یہ ہے کہ پہننے کے زیور کی زکوٰۃ یہ ہے کہ حسبِ ضرورت اُسے عاریۃً دیا جاتا رہے۔ ممانعت کا قول منسوخ یا مرجوح ہے۔

اِس کے بعد شہاب صاحب سنن ابی داؤدؒ سے حضرت ابوہریرۃؓ کی ایک روایت ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جو یہ پسند کرتا ہے کہ اپنی محبوبہ کو آگ کی انگوٹھی پہنائے تو پھر بے شک وہ اسے سونے کی انگوٹھی پہنا سکتا ہے اور تم میں سے جو یہ پسند کرتا ہے کہ اپنی محبوبہ کے گلے میں آگ کا طوق پہنائے تو وہ اسے سونے کا گلوبند پہنا سکتا ہے اور تم میں سے جو یہ پسند کرتا ہے کہ اپنی محبوبہ کو آگ کے کنگن پہنائے تو پھر وہ اسے سونے کے کنگن پہنا سکتا ہے۔"

معلوم نہیں کہ یہ ترجمہ رفیع اللہ صاحب نے خود کیا ہے یا کہیں سے کرایا ہے، بہرحال یہ ترجمہ کرنے والے کی جہالت اور عربی سے نابلد ہونے کا بیّن ثبوت ہے۔ اس ترجمہ میں تین مرتبہ "اپنی محبوبہ" کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں، حالانکہ متنِ حدیث میں تینوں جگہ حَبِيْبَهٗ کا لفظ وارد ہے جو مرکب اضافی ہے جس میں حبیب مذکر کا صیغہ ہے اور اس کے معنی محبوبہ نہیں، بلکہ محبوب کے ہیں۔ اور حبیب کے ساتھ "ہ" تائے تانیث نہیں، بلکہ واحد غائب کی مذکر ضمیر ہے جس کا مرجع حبیب ہے جو مذکر ہے۔ اگر عربی میں اپنی محبوبہ کا ذکر ہوتا تو حَبِيْبَتَهٗ کا لفظ ہوتا۔ پھر متن میں تینوں مرتبہ فَلْيُحَلِّقْهُ فَلْيُطَوِّقْهُ فَلْيُسَوِّرْهُ کے الفاظ آئے ہیں، ان سب میں "ہ" ضمیر واحد غائب مذکر کا ہے، اگر مؤنث ہوتی تو تینوں کے آخر میں ھاءِ تانیث ہوتی۔ بہرکیف اس حدیث سے صنفِ ذکور کے لیے سونے کے زیور کی ممانعت ثابت ہوتی ہے، عورتوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

پھر عجیب بات یہ ہے کہ شہاب صاحب نے سنن ابی داؤد سے وہ روایات تو نقل کر دیں جن سے ان کے نزدیک عورتوں کو سونا پہننے کی حرمت ثابت ہوتی ہے، لیکن اس باب کی سب سے پہلی حدیث جس سے عورتوں کے لیے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے، اُسے چھوڑ دیا ہے۔ اس باب ما جاء فی الذهب للنساء کی اوّلین حدیث کا ترجمہ درج ذیل ہے:

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نجاشی کی جانب سے زیور تحفہ کے طور پر آئے، جن میں سونے کی انگوٹھی (خاتم من الذهب) تھی اور حبشی نگینہ تھا۔ اُسے آنحضور ﷺ نے لکڑی یا انگلی سے اُٹھایا، پھر آپؐ نے امامہ کو بلایا جو آنحضورؐ کی نواسی اور حضرت زینبؓ کی صاحبزادی تھیں اور فرمایا: میری بیٹی اسے پہن لو۔"

بعض معاملات میں امر و نہی، جواز و عدم جواز سے متعلق متعدد احادیث وارد ہیں، جن میں بظاہر اختلاف نظر آتا ہے۔ ان سے استنباطِ حکم یہ طریقہ صحیح نہیں کہ ایک طرف پر انحصار کیا جائے۔ اور دوسری جانب سے آنکھیں بند کر لی جائیں، اسی طرح یہ طرزِ فکر بھی معقول نہیں کہ اختلافِ حدیث کو انکارِ حدیث کا بہانہ بنایا جائے۔ اہلِ علم نے ہمیشہ

جملہ احادیث پر بیک وقت نظر رکھ کر غور و بحث کے بعد رائے قائم فرمائی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن القیم نے ابوداؤد کے اس باب کی احادیث پر کلام کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"ان احادیث کے ضمن میں اختلاف و اشکال رونما ہوا ہے۔ ایک گروہ علماء کا مسلک یہ ہے کہ مخالفت پر دلالت کرنے والی روایات ضعیف ہیں (جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا)۔ دوسرے گروہ کا قول یہ ہے کہ عورتوں کے لیے سنہری زیورات کی حرمت اوائلِ اسلام میں تھی، پھر منسوخ ہو گئی۔ چنانچہ سنن ترمذی میں صحیح حدیث موجود ہے جو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اُحِلّ الذھب والحریر للاناث من امتی وحرّم علی ذکورھا (میری اُمت کی خواتین کے لیے سونا اور ریشم حلال کیا گیا ہے اور مردوں پر یہ حرام ہے۔) حضرت عبداللہؓ بن عمرو سے بھی ابن ماجہ میں یہی حدیث مروی ہے، تیسرے گروہ کا مسلک یہ ہے کہ عورتوں کے لیے سونے کے زیور پر وعید اس صورت میں ہے جب کہ ان پر واجب زکوٰۃ ادا نہ ہو، جس عورت نے زکوٰۃ دے دی اُس کے لیے یہ وعید نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت عمروؓ بن شعیب کے والد اور دادا سے حدیث مروی ہے کہ یمن سے ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس کی بیٹی ساتھ تھی جس نے سونے کے وزنی کنگن پہن رکھے تھے۔ آنحضورؐ نے پوچھا: ان پر زکوٰۃ دیتی ہو؟ اُس نے نفی میں جواب دیا تو آپؐ نے فرمایا: کیا تمہیں پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کو تمہیں آگ کے کنگن پہنائے؟ اُس عورت نے یہ کنگن اُتار کر پیش کر دیے۔ اور عرض کیا کہ یہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے لیے ہیں۔ اُمّ المؤمنین حضرت اُمِّ سلمہؓ سے بھی ابوداؤد میں حدیث مروی ہے کہ انہوں نے سونے کا زیور پہن رکھا تھا۔ اور انہوں نے آنحضورؐ سے پوچھا کہ کیا یہ کنز ہے (جو ممنوع ہے)۔ آنحضورؐ نے فرمایا: اگر اس کا وزن اتنا ہو کہ زکوٰۃ واجب ہو اور زکوٰۃ ادا کر دی جائے تو یہ کنز کی تعریف میں

نہیں آتا۔"

رفیع اللہ شہاب صاحب نے سنن ابی داؤد (طبع مصر) کا صرف ایک باب دیکھا ہے، اُس میں سے اپنے مطلب کی روایات کو نقل کر دیا ہے اور ترجمہ بھی غلط کیا ہے۔ اگر وہ سنن ابی داؤد کی کتاب الزکوٰۃ کو بھی دیکھ لیتے۔ جو اس باب سے پہلے کتاب الصلوٰۃ کے بعد موجود ہے تو انہیں زکوٰۃ الحلی میں حضرت عمروؓ بن شعیب والی حدیث مل سکتی تھی جسے اُوپر نقل کیا جا چکا ہے اور جس سے ثابت ہوتا ہے کہ عورتوں کے لیے زریں زیورات جائز ہیں بشرطیکہ بقدر نصاب ہونے پر ان کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے۔ سنن ترمذی، کتاب اللباس میں بھی حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی حدیث وارد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

حرم لباس الحریر والذھب علی ذکور امتی واحل لاناثھم

"میری اُمت کے مردوں پر ریشم اور سونا پہننا حرام ہے اور عورتوں کے لیے حلال ہے"۔

امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے اور ساتھ ہی تصریح کی ہے کہ اس مفہوم کی احادیث حضرت عمرؓ، علیؓ، عقبہؓ بن عامر، انسؓ، حذیفہؓ، اُمّ ہانیؓ، عبد اللہ بن عمروؓ عمران بن حصین، عبد اللہ بن زبیرؓ، جابر بن ابو ریحان، عبد اللہ بن عمرؓ اور واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہم اجمعین سے بھی مروی ہیں۔

بہرکیف شہاب صاحب کا یہ دعویٰ بالکل غلط اور باطل ہے کہ شریعتِ اسلامی میں عورتوں کے لیے سونے کے زیورات استعمال کرنے حرام ہیں۔ اس پر پوری اُمت کا اتفاق ہے کہ مردوں کے لیے سونے کا زیور اور ریشم نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کیا ہے اور عورتوں کے لیے سونا اور ریشم حلال فرمایا ہے۔ صحیح مسلم، کتاب اللباس، باب تحریم استعمال اناء الذھب والفضہ میں وارد احادیث کی شرح کرتے ہوئے امام نووی فرماتے ہیں:

اما النساء فیباح لھن لبس الحریر و جمیع انواع الحلی من الذھب وسائر الحلی منه ومن الفضہ۔

(جہاں تک عورتوں کا تعلق ہے، ان کے لیے ریشم کا لباس اور سونے کی انگوٹھی اور ہر قسم کے سونے چاندی کے زیورات مباح ہیں۔)

اختلاف جو کچھ ہے، فقط اس امر میں ہے کہ سونے کے زیور پر زکوٰۃ کس صورت میں ہوگی۔ عہدِ نبوت کے بعد خلافتِ راشدہ کے ادوار میں بھی سونے کے زیورات پر زکوٰۃ وصول کی جاتی تھی۔ چنانچہ محلّی ابن حزم اور دوسری کتابوں میں منقول ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے عامل حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے نام فرمان ارسال کیا تھا کہ مُر نساء المسلمین یزکین عن حلیھن (مسلمان عورتوں کو حکم دو کہ وہ اپنے زیورات کی زکوٰۃ ادا کریں)۔ اس میں سونے چاندی کی تخصیص نہیں، بلکہ مطلقاً زیورات پر زکوٰۃ کا حکم دیا گیا جس سے ہر قسم کے زیورات کا جواز عورتوں کے حق میں آپ سے آپ ثابت ہو گیا۔ اگر خواتین کے لیے سنہری زیور حرام ہوتا تو خلیفہ راشد زیورات پر زکوٰۃ کی وصولی کا عام حکم کیسے دیتے؟

جن احادیث میں سنہری زیور کا عورتوں کے لیے ممنوع ہونا مذکور ہے، ان کے بارے میں حافظ ابن قیم کے علاوہ دوسرے محدثین نے بھی یہ فرمایا ہے کہ یہ ابتدائی حکم تھا جو بعد میں تبدیل ہو گیا۔ قاضی ابن العربی بھی سنن ترمذی کی شرح "تحفۃ الاحوذی" میں لکھتے ہیں۔ یکون ذلک وقتاً لنھی الباری لہ ابتداء عنہ واستقرالنھی عن خاتم الذھب للرجال وجاز للنساء لان الذھب والحریر حلال استعمالہ لھن۔ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ نہی ابتدائی دور میں تھی۔ پھر سونے کی مردوں کے لیے ممانعت تو برقرار رہی، مگر عورتوں کے لیے اسے جائز کر دیا گیا۔ ریشم اور سونا پہننا ان کے لیے حلال ہے)۔

اس لیے یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ سونا پہلے عورتوں کے لیے حلال تھا، پھر حرام کر دیا گیا۔ بلکہ صحیح تر قول یہ ہے کہ پہلے ممانعت کا حکم اگر عام تھا تو پھر عورتوں کے لیے حکم میں تخصیص ہو گئی اور سنہری زیور ان کے لیے جائز ہو گیا۔

روزنامہ "نیشن" لاہور کے شمارہ ۴ نومبر و ۱۴ نومبر ۱۹۹۰ء میں محمد شعیب عادل نام کے کسی صاحب نے اسی موضوع پر "سونے کے زیورات اور ان پر زکوٰۃ" پر

دو مراسلے چھپوائے ہیں جن میں رفیع اللہ صاحب کی طرح عورتوں کے لیے طلائی زیورات ممنوع ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے بیشتر مزعومات کا جواب تو اوپر کی بحث میں آگیا ہے، تاہم ان کی ناروا جسارت کا ایک نمونہ یہاں پیش کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

"نیشن" مورخہ ۱۴ نومبر میں وہ لکھتے ہیں کہ امام ابن حزم نے مندرجہ ذیل اصحاب کا فتوٰی نقل کیا ہے کہ سونے کے زیورات سے متعلق زکوٰۃ کے وجوب کی تمام احادیث ضعیف ہیں اور ان زیورات پر کوئی زکوٰۃ نہیں، اور محمد شعیب صاحب نے ان حضرات کے یہ نام گنوائے ہیں۔

حضرت جابرؓ بن عبد اللہ، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، حضرت اسماءؓ بنت ابوبکرؓ (شعیب صاحب نے حضرت اسماء کو انگریزی میں ISMA لکھا ہے جو آن کی جہالت کا بیّن ثبوت ہے)۔ حضرت عائشہؓ، امام شعبیؒ (انہیں مراسلہ نگار نے SHUBI لکھا ہے)، ربیعہ بن عبد الرحمٰن، ابوجعفر محمد بن علی، حضرت طاؤس، حضرت حسن اور حضرت سعید بن مسیّب (مراسلے میں MKSSAIB لکھا گیا ہے۔

اوّلین سوال جو عادل صاحب سے دریافت طلب ہے وہ یہ ہے کہ بالفرض ان اصحاب کے نزدیک سونے کے زیورات سے متعلق احادیث جن میں ایسے زیورات پر زکوٰۃ کا ذکر ہے، اگر وہ ضعیف ہوں تو اس سے عورتوں کے لیے سونے کے زیورات کی حرمت کیسے ثابت ہوگی۔ عورتوں کے لیے طلائی زیورات کے استعمال کا جواز و عدم جواز اور ان زیورات پر زکوٰۃ کا وجوب و عدم وجوب دو مختلف امور ہیں جن کا ایک دوسرے کے ساتھ براہِ راست کوئی تعلق نہیں ہے۔ مراسلہ نگار نے ابن حزم کا ذکر کیا ہے مگر ان کی کسی کتاب کا نام نہیں دیا۔ یہ کتاب محلّی ہی ہوسکتی ہے۔ محلّی کی تیسری جلد ص ۷۵ پر حکم زکوٰۃ الحلی پر مستقل بحث موجود ہے جو ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے:

۶۸۴ - مسئلۃ : والزکوٰۃ واجبۃ فی حلی الفضۃ والذھب .... سواء کان

حلی امرأۃ او حلی رجل۔

(چاندی اور سونے کے زیورات پر زکوٰۃ واجب ہے خواہ وہ زیورات عورت کے ہوں یا مرد کے)۔

بعد ازاں ابن حزم نے حضرت عمرؓ کے خط کا ذکر کیا ہے، جس میں حضرت ابو موسیٰ کو لکھا گیا تھا کہ مسلمان عورتوں کو زیورات کی زکوٰۃ دینے کا حکم دیں۔ پھر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہؓ بن عمرو، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عائشہؓ سب کا مسلک بیان کیا گیا ہے کہ وہ زیورات کی زکوٰۃ کے قائل و عامل تھے۔ اس کے بعد آخر میں ابن حزم نے ان اصحاب کا ذکر کیا ہے، مراسلہ نگار نے جن کے نام گنوائے ہیں کہ ان کے نزدیک پر زکوٰۃ نہیں۔ پھر ابن حزم نے اس بات پر تعجب کا اظہار کیا ہے کہ ان میں سے بعض حضرات نے زیورات پر زکوٰۃ نہ ہونے کی دلیل یہ دی ہے کہ عورتوں کے لیے چونکہ زیورات کا استعمال جائز ہے، اس لیے ان پر زکوٰۃ بھی واجب نہیں۔ ابن حزم کہتے ہیں کہ دینار و درہم اور سونا چاندی سکّے یا ڈلے کی صورت میں مردوں عورتوں کے لیے اپنی ملک میں رکھنا جائز ہے تو کیا کسی صورت میں بھی ان پر زکوٰۃ نہیں ہوگی؟ ابن حزم نے درحقیقت اس بات پر زور دیا ہے کہ سونے چاندی پر زکوٰۃ نصِ صریح سے واجب ہے، اس لیے اس کے بالمقابل بعض کمزور احادیث کے بل پر یہ استنباط صحیح نہیں کہ سونے یا چاندی کے زیورات زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں۔

یہ طرزِ استدلال بھی بے محل اور بے وزن ہے کہ امیر عورتیں سونے کا زیور پہن کر غریب عورتوں کے لیے ترغیب کا باعث بنتی ہیں۔ زیور خواہ سونے کا ہو یا چاندی کا ہو، خواتین کے لیے واجب و لازم یا مستحب بھی نہیں، فقط عورتوں کے لیے جائز و مباح ہے، بلکہ بیشتر حالات میں اگر غربا کے پاس زیور ہو تو وہ ایک محفوظ سرمایہ ہوتا ہے جسے بوقتِ ضرورت بیچ کر ناگزیر ضرورت پر صرف کیا جا سکتا ہے۔ پھر اللہ و رسولؐ نے حلال و حرام کے کلی اختیارات اپنے پاس رکھے ہیں۔ اس کے لیے نصوص و اصول بیان فرما دیے ہیں۔ ان سے تجاوز کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں۔ (ملک غلام علی)

مطبوعات

انوار القرآن والحدیث پروفیسر سعید اختر صاحب کی تالیف انوار القرآن والحدیث میرے سامنے ہے۔ ان کے رشحاتِ قلم کی دیگر خصوصیتوں کے ساتھ ساتھ ایک نمایاں نہایت قابلِ قدر خصوصیت و وصف یہ ہے کہ انہوں نے اختلافی مسائل میں راہ اعتدال کی طرف رہنمائی کر کے امتِ مسلمہ کے انتشار و افتراق کو کم سے کم کرنے کی کوشش کی ہے۔

اپنے جملہ محاسن اور خوبیوں کے باوصف کتاب میں بے شمار اغلاط ہیں جو کاتب کے قلم سے رہ گئے ہیں اور پروف ریڈر کی نظر سے بھی اوجھل رہ گئے ہیں۔ مثلاً:

ص ۶۹ پر عن ابی ذَرِ جو ابی ذَرٍّ ہے اور آنَا اُعْفِ کی بجائے انا اغفِرُ چاہیے۔

ص ۶۹ پر لن تبلغوا ضُرّی جو لن تبلغوا ضَرّی چاہیے۔

ص ۷۰ پر اَلمِخیطُ نہیں المَخِیطُ ہے۔

ص ۷۳ پر عن ابی ذَر جو ذَرٍّ چاہیے اور وَزْرُ ہے جو وِزْرُ چاہیے۔

ص ۷۹ پر موعظۃٌ نہیں موعظۃٌ چاہیے اور اسی صفحہ پر فَسَیَّرِیُ نہیں فَسَیَرٰی چاہیے۔

ص ۸۲ پر یُبَاعِدُنِی ہے یُبَاعِدْنِی چاہیے۔

ص ۸۹ پر عن ابی سعیدٌ نہیں عن ابی سعیدٍ چاہیے۔ اسی صفحہ پر سَنَانِ نہیں سِنَانِ چاہیے۔

ص ۱۰۰ پر فَاَکَدَّ ھَا نہیں فَاَکَدَ ھَا چاہیے اور اسی صفحہ پر

وباللہ التوفیقِ نہیں وَباللہِ التوفیقُ چاہیے۔
ص ۱۰۲ پر من عادی نہیں من عادٰی چاہیے اور اَحَبَّ نہیں اَحَبُّ ہے۔
ص ۱۰۴ پر ان اللہ تجاوز لی کا ترجمہ میری برکت سے میری اُمت کی۔
صحیح معلوم نہیں ہوتا بلکہ میرے لیے میری اُمت کی خطائیں اور بھول چوک بخشنے۔
ص ۱۰۸ پر عمر بن العاص نہیں، عمرو بن العاص ہے اور اسی صفحہ پر حتی
یکونُ نہیں، حتی یکونَ ہے۔
ص ۱۱۴ پر "الی ما" کا معنی رہ گیا ہے لکھا جائے۔
ص ۱۱۵ پر المَفارِق نہیں، المُفارِقُ ہے۔
ص ۱۱۶ پر الطَّھورُ نہیں، الطُّھورُ ہے۔
ص ۱۱۶ پر ضَالٌ نہیں، ضَآلٌّ ہے۔
ص ۱۲۰ پر تبعا نہیں تبعًا ہے اور لَمَاجِئتُ نہیں، لِمَاجِئتُ ہے۔
اور ص ۱۲۰ پر "اور کس سبب ہے؟" کے بجائے "اور کس سبب سے ہے"
ص ۱۲۲ پر "ہدایتِ رَبّانی نہیں، ہدایتِ رَبّانی چاہیے۔
ص ۱۴۰ پر امام احمد بن یزید سرخی ہے اور نیچے ابو عبد اللہ محمد بن یزید ہے
کونسا درست ہے۔
ص ۱۵۰ پر عبدالماجد صاحب کچھ نہیں کو، مولانا عبدالماجد لکھنا زیادہ مناسب ہے
مزید برآں ص ۳۳ پر النعمان بن بشیر ہے جو بُشیر چاہیے۔
ص ۴۲ پر یَا دَبُّ یَا رَبُّ ہے حالانکہ یَارَبِّ یَارَبِّ چاہیے۔ ترجمہ یا رب
کا کیا گیا ہے۔ اسی صفحہ پر مُطعِمُہ لکھا ہے حالانکہ مُطعَمُہُ ہے۔
ص ۵۲ پر لاتَغضَبُ لکھا ہوا ہے جو لاَ تَغضِب چاہیے۔
ص ۶۱ پر ادرک الناسُ لکھا ہوا ہے حالانکہ ادرک النَّاسُ ہے۔
بہ نمونہ کے طور پر نشان زد کی گئی ہیں ورنہ اغلاط بہت ہیں تصحیح کی ضرورت ہے۔
اس کی ضخامت: ۳۹۱ صفحات اور قیمت ر/۳۵ روپے (عبدالوکیل علوی)

اخوان المسلمون

مؤلف : افتخار احمد۔ ناشر: المیزان پبلشرز، صابر پلازا۔ امین پور بازار، فیصل آباد۔

سٹاکسٹ : الائیڈ کمپنی، دی مال لاہور۔ صفحات : ۴۴۰ مجلد خوب صورت گرد پوش سے آراستہ۔ قیمت : ۱۶۰/-

زیر نظر کتاب ایک ایسے موضوع ہے جس پہ اسلامی نشأۃ ثانیہ کے اس دور میں جس قدر لٹریچر مہیا کیا جائے، کم ہے۔ محترم مولف نے اس مجموعہ مضامین میں پوری کوشش کی ہے کہ دُنیائے اسلام کی اہم تر تحریک الاخوان المسلمون کے بارے میں اپنے قارئین کو تحریک کے ایسے پہلوؤں سے پوری طرح متعارف کرائیں جو ہماری قومی بے حسی کی بنا پہ اکثریت کی نظروں سے اوجھل ہیں اور جن کا جاننا ہر مسلمان نوجوان کے لیے لازم ہے۔ کتاب کے پہلے ایڈیشن ۱۹۸۰ء پہ محترم مولانا نعیم صدیقی صاحب کی تقریظ اور جناب صلاح الدین مدیر تکبیر کا تبصرہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ کتاب خاص اہمیت کی حامل ہے اور اس قابل ہے کہ ہر پاکستانی مسلمان اس کا مطالعہ ضرور کرے، محترم نعیم صدیقی صاحب نے موضوع کے بارے میں انتہائی اہم نکات بیان کرنے کے بعد لکھا ہے :

"افتخار احمد نے تحریک اخوان المسلمون اور اس کے اکابر کا تعارف پیش کرنے کے لیے متعدد مآخذ سے استفادہ کیا ہے۔ یہ خدمت تاریخ کی بھی خدمت ہے، علم و ادب کی بھی، اُردو زبان کی بھی، اور فلاحِ انسانیت کا راستہ دکھانے والے دین کی بھی۔ جس تحریک نے سید قطب شہید اور عبد القادر عودہ جیسے اہلِ قلم کو اُبھارا اس کی داستان لکھ کر افتخار احمد نے بھی اپنا تعلق اس کاروانِ عشق سے جوڑ لیا ہے میری طرف سے ہدیہ تبریک"۔

محترم محمد صلاح الدین اپنے جامع تبصرے کے آخر میں رقمطراز ہیں۔

"افتخار احمد صاحب نے اپنی اس گرانقدر تالیف میں اس تحریک

کے پس منظر اور ارتقاء کی اب تک کی تفصیلات کو یک جا کر کے دعوتِ اسلامی کے کارکنوں کے لیے ایک قیمتی کتاب مہیا کر دی ہے۔ اسلام کی دعوت سے متاثر ہونے والے ذہنوں کے لیے یہ تالیف ایک ولولہ انگیز بانگِ جرس ثابت ہوگی۔"

ان دو عبقری اہلِ قلم حضرات کی انتہائی وقیع آرا کو نقل کر دینے کے بعد اس کتاب پر مزید تبصرہ کرنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ البتہ مزید جو بات کہی جا سکتی ہے، وہ یہ ہے کہ اگر کتاب کے آخر میں محترم مؤلف ان اثرات کا جائزہ بھی پیش کر دیتے تو کتاب کی افادیت میں مزید اضافہ ہو جاتا، جو اس تحریک کے نتیجے میں پوری دُنیا بالخصوص اسلامی ممالک اور عرب حکومتوں پر مرتب ہوئے اور ہو رہے ہیں۔ اور جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک طرف روس، امریکہ اور مغربی دُنیا کے عوام آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسلام اور مسلمانوں کو دیکھ رہے ہیں اور دوسری طرف یہود و ہنود کی وہ تنظیمیں جن کا کام ہی اللہ کی زمین میں فساد برپا کرنا ہے۔ اور عیسائی مشنریوں کے وہ ادارے جو پوری دُنیا کو اپنے رنگ میں رنگنے کے لیے بے انتہا ذرائع اور وسائل کے مالک ہیں۔ اسلامی تحریکات کے اثرات کو کم کرنے کے لیے پہلے سے کہیں زیادہ سرگرم عمل ہو گئے ہیں۔ اور بزعم خود یہ سمجھ رہے ہیں کہ اس طرح وہ اللہ کے نُور کو بجھانے میں کامیاب ہو جائیں گے جبکہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے:

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ۔

نُورِ خدا کفر کی حرکت پہ ہے خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

(تبصرہ نگار شبیر احمد)

نظامِ جاہلیت سے تعاون اسلامی نقطۂ نظر سے مؤلفین: مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ مولانا صدرالدین اصلاحی - مرتبہ: خالد حامدی صاحب

ناشر: ادارۂ شہادتِ حق، پوسٹ بکس نمبر ۹۷۰۲ جامعہ نگر، نئی دہلی (بھارت) ۱۱۰۰۲۵
صفحات: ۱۲۲ قیمت: ۱۲/- روپے

یہ کتابچہ اصل میں مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ اور مولانا صدرالدین اصلاحی کے چند ایسے مضامین کا مجموعہ ہے جس میں اہلِ اسلام کے نظامِ جاہلیت سے تعاون کرنے یا نہ کرنے کے مسئلے پر شرعی بحث کی گئی ہے۔ اور ضمناً اس میں غیر اسلامی نظامِ حکومت کی رکنیت، ملازمت اور اس کی قانون ساز مجالس میں شرکت کے مسائل بھی زیرِ بحث آ گئے ہیں۔ اسلامی سیاسیات سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے ایک مفید رہنمائی ہے۔

مسلم پرسنل لاء اشاعتِ خاص ماہنامہ "دارالعلوم" (دیوبند - بھارت)

مدیر: مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی - پاکستان میں ملنے کا پتہ: عبدالستار مہتمم جامعہ محمودیہ، داؤد والا، شجاع آباد - ملتان - صفحات: ۲۰۰، اس خاص مجلہ کی قیمت ۳۶/- روپے - سالانہ چندہ ۹۰/- روپے۔

یہ ماہنامہ "دارالعلوم" (دیوبند - بھارت) کا خصوصی نمبر ہے۔ اس میں شریعت ایکٹ یا مسلم پرسنل لاء کا تاریخی پس منظر، اس کے بعض پہلوؤں کا ناقدانہ جائزہ اور موجودہ بھارت میں اس متنازعہ مسئلے کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ بابری مسجد کے بارے میں بعض تاریخی حقائق پیش کیے گئے ہیں۔ بھارتی قانون سی آر پی سی دفعہ ۱۲۵ کا تقابل شریعت کے قانونِ متاعِ طلاق بخلاف نفقہ مطلقہ سے کیا جائے گا - ۱۲ علمائے دین کے ۲۰ علمی مضامین کا یہ مفید مجموعہ اور اہم نمبر ہے۔

قرآن کی باتیں | مصنف: سید نظر زیدی - مطبع: تعمیر ادب، لاہور

تقسیم کنندہ: المنار بک سنٹر منصورہ، لاہور۔ ضخامت: ۹۶ صفحات

قیمت: ۱۸/- روپے۔

سید نظر زیدی صاحب ان شعراء و ادباء میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے ادب و شعر کے ذریعے سے ننھے منے بچوں کی ذہنی، اخلاقی اور روحانی تربیت کرنے کی حتی الامکان کوشش کی ہے۔

"قرآن کی باتیں" ان کی نئی اور تازہ تالیف ہے، جس میں انہوں نے قرآن مجید کی آیات کے حوالے سے شرفِ انسانیت، نماز کی فرضیت، سچ بولنا، غیبت سے بچنا، لباس اور بدن کی پاکیزگی، فضول خرچی کی عادتِ بد سے پرہیز اور چغل خوری کی قباحت اور باہمی لڑائی جھگڑے سے بچنا وغیرہ عنوانات کے تحت بچوں کے لیے اچھی معلومات جمع کر دی ہیں۔

ص ۴۰ دوسرے پیرے کو کسی اور مثال سے پیش کیا جاتا تو بہتر تھا۔ اسی طرح ص ۵۶ پر دوسرا پیرا بھی "ہوا یہ کہ چالاک اور خود غرض لوگوں" قابلِ توجہ ہے۔

(عبدالوکیل علوی)

وادیٔ نیل کا قافلۂ سخت جاں | مؤلف: مرشدِ عام اخوان المسلمون مصر محمد حامد ابو النصر

مترجم: حافظ محمد ادریس ایم اے۔ طابع و ناشر: عرا پبلی کیشنز، فضل الٰہی مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ ضخامت: ۲۹۲ صفحات۔ قیمت: ۶۵/- روپے

حق و باطل کی کش مکش ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گی ـــــ خوش قسمت اور سعادتِ دارین سے بہرہ ور ہیں وہ نفوسِ قدسیہ جنہوں نے ہر حالت میں حق و صداقت کا بے لوث ساتھ دیا۔ اور اس کے لیے ہر قسم کی قربانی پیش کرنے سے دریغ نہیں کیا۔

اخوان المسلمون کے مرشدِ عام محترم محمد حامد ابو النصر نے اپنی تالیف میں مصر کے

فرعون طینت آمر کرنل جمال عبدالناصر کے دورِ انقلاب میں اخوان کے رہنماؤں پر ڈھائے گئے مظالم کی عینی شہادت پیش کی ہے، جس کا اُردو ترجمہ حافظ محمد ادریس صاحب ایم اے نے کیا ہے۔ ترجمہ عام فہم زبان میں بہت سلجھا ہوا اور مؤلف کے ذہن اور ضمیر کا صحیح عکاس ہے۔

تحریکِ اسلامی کے کارکنوں کے لیے خاص کر اور عوام الناس کے لیے عام طور پر نہایت عمدہ رہنمائی ہے۔ (عبدالوکیل علوی)

صرف عورتوں کے لیے تصنیف: شیخ محمد الزین الطاہر۔ ترجمہ: عبدالرشید حنیف۔
ناشر: ادارہ علومِ اسلامی جھنگ صدر۔ ضخامت: ۹۰ صفحات، غیر مجلد
قیمت: درج نہیں۔

اِس کتاب میں عورت کی حیثیت اور عائلی زندگی میں اس کے کردار پر گفتگو کی گئی ہے۔ یہ نہ صرف اِس دور بلکہ ہر دور کا زندہ موضوع رہا ہے اور اس لحاظ سے زیرِ نظر کتابچے کو بہت اہم خیال کرنا چاہیے۔ لیکن جس انداز سے مباحث سپردِ قلم کیے گئے ہیں وہ اچھا خاصا غیر مربوط اور جدید اسالیب سے بہت ہٹا ہوا ہے، تاہم اس کا مطالعہ فائدے سے خالی نہیں۔ قاری اس نتیجے پر بہر حال پہنچ جاتا ہے کہ اسلامی اُصولوں کو اپنانے ہی سے بہتر زندگی بلکہ زندگی گزارنے کے قابل بنتی ہے۔

(انظر زیدی)

گذارشِ احوال واقعی

چند اہم کتابوں پر اس ماہ تبصرہ لکھنا ضروری تھا اور ان پر میں خود لکھنا چاہتا تھا۔ مگر اشارات کی طوالت کے علاوہ قصاص و دیت پر مضامین شامل کرنے پڑے۔ یوں بھی مطبوعات نے کئی صفحات لے لیے ہیں۔

REGD. NO. L 6340 PHONE : 324468

MONTHLY TARJUMAN-UL-QURAN LAHORE

جاری کردہ: مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ماہنامہ ترجمان القرآن

رُوداد اجتماع عام

- افتتاحی خطاب
- کلیدی خطاب
- خطاب جلسہ عام
- اختتامی خطاب

قاضی حسین احمد امیر جماعت اسلامی

- رپورٹ جماعت اسلامی پاکستان ۸۲ء تا ۸۹ء
(قافلۂ حق کی چھ سالہ روداد سفر)

- اعلامیہ

اجتماعِ عام نمبر ۸۹ء

دیگر تقاریر

- دروس قرآن و حدیث
- انقلابی کردار: ایمان، جہاد اور دعوت
- انقلابی جماعت: رُحماءُ بینھم
- پاکستان میں جماعت اسلامی کا کردار
- اسلامی انقلاب میں خواتین کا کردار
- نوجوان —— اسلامی انقلاب کا ہراول دستہ
- ہم اس ملک میں کیا معاشی تبدیلیاں لائیں گے؟
- بین الاقوامی مندوبین

مُقرّرین

میاں طفیل محمد	مولانا جان محمد عبّاسی	پروفیسر غفور احمد
چوہدری رحمت الٰہی	پروفیسر خورشید احمد	خُرّم مُراد
نعیم صدّیقی	مولانا خلیل احمد حامدی	مولانا گوہر رحمٰن
مولانا فتح محمد	حافظ محمد ادریس	لیاقت بلوچ
سیّد منور حسن	ایوب ٹھاکر	ڈاکٹر صیام

- ٹائیٹل، دیدہ زیب
- کتابت، کمپیوٹرائزڈ
- ضخامت، ۲۶۴ صفحات
- قیمت، -/۳۰ روپے
- لائبریری ایڈیشن، -/۴۵ روپے

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ اُردو بازار، لاہور
فون: ۳۲۴۴۶۸-۶۸۶۳۲، پوسٹ بکس نمبر ۱۲۴۳